شعبۂ تعمیر و ترقی
دار العلوم ندوۃ العلماء
لکھنؤ

تعمیرِ حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ ۱۵

ایڈیٹر سید محمد الحسنی

معاون سعید الاعظمی ندوی

یکم محرم الحرام ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۰ مارچ ۱۹۷۰ء

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ ۳۲ قیمت فی پرچہ ۲۵ پیسے

FORTNIGHTLY

TAMEER-E-HAYAT

Darululoom Nadwatululama, Lucknow. (India)

مکتبہ دار العلوم کی تازہ مطبوعات

منثوراب

[illegible]

قیمت ۔

مسئلہ ختم نبوت ۔ علم عقل کی روشنی میں

تالیف : مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی ندوی ، استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء

اس کتاب میں مسئلہ ختم نبوت کو نہایت علمی و تحقیقی انداز میں ثابت کیا گیا اور عقیدۂ ختم نبوت کی اہمیت اور ضرورت کو عقلی و نقلی دلائل سے واضح کیا گیا ہے ، ہر صاحب عقل سلیم اس کتاب کے مطالعہ کے بعد ختم نبوت کا قائل ہو جائیگا ، قادیانیت کے طلسم میں گرفتار اور عقیدۂ ختم نبوت میں شک و شبہ کرنے والے افراد کے حق میں یہ نادر تالیف روشنی کا ایک عظیم مینار ہے !

قیمت :- ۲ روپے ۲۵ نئے پیسے

جزیرۃ العرب

از مولانا محمد رابع حسنی ندوی ، استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء

جزیرۃ العرب کی کوئی تاریخ نہیں بلکہ یہاں سیرت ، تاریخ اور دعوت ساتھ ساتھ چلتی رہی ، کوئی کتاب اسکی جغرافیائی اہمیت ایسا قوامیسی دینی اور ادبی اہمیت بھی خطوں کے ملاپ نے اجاگر کی ہے ، اس سلسلہ میں قدیم و جدید دونوں مآخذ سے استفادہ کیا گیا ہے ، اہم مقامات کے قدیم ناموں کیساتھ جدید نام بھی بتائے گئے ہیں اور جب جہاں ضرورت محسوس ہوئی ہے تاریخی نقشے بھی دیئے گئے ہیں ، اساتذہ کرام عربی کے امتحانات نے اچھے اضافہ کیا ہے ، دار العلوم ندوۃ العلماء کے نصاب میں بھی داخل ہے ، اپنے موضوع پر ایک منفرد کتاب ۔ قیمت ۵ روپیہ

دہلی اور اسکے اطراف

از مولانا محمد سرفراز خان صفدر

یہ مصنف کی سرزمین دہلی اور اطراف کی تاریخ ، تہذیب و ثقافت ، اسلامی تعمیرات اور اسکے نشانات کا تعارف ہے ، اس کتاب سے آگاہی ان لوگوں کو بھی ہوگی جو دہلی کے رہنے والے ہیں اور ان کو بھی جو دہلی کے باشندے نہیں ہیں ، اس کتاب کے مطالعہ سے ہندوستان کی ایک عظیم تاریخی وراثت سے آگاہی ہوگی ، اور اس کے مٹتے ہوئے نشانات کی حفاظت کی طرف توجہ ہوگی ، ہندوستان کی تاریخ کا ہر طالب علم اس کتاب کو اپنے لئے ضروری سمجھے گا ، قیمت ۔

تذکرہ

حضرت مولانا منت اللہ رحمانی

از مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

پچھلی صدی ہجری کے شیوخ و متمولین پر رشک عالم ، اویس زمانہ حضرت مولانا منت اللہ رحمانی جن کی مراد آبادی کی سوانح عمریت ، حالات ، ارشادات و ملفوظات ، معمولات پر اثر کے بغیر نہیں رہتے احسان معلوم ہوتا ہے کہ تصوف ، شریعت سے علیحدہ کوئی چیز نہیں بلکہ تصوف شریعت کی روح ہے ، وہ حضرت جو درد و محبت کے مجسمہ اور یقین کے طالب تھے ان کیلئے یہ کتاب بہترین تحفہ ہے ۔

قیمت عام

معلم الانشاء

از مولانا عتیق احمد صاحب ندوی و مولانا عتیق رافع صاحب ندوی

الأدب العربی

جدید عرض و نقد

از مولانا سید محمد رابع ندوی ، ادیب اول دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

عربی ادب کی تاریخ اور تنقید کے موضوع پر ہندوستان میں یہ سب سے پہلی کوشش ہے جو اردو میں عربی ادب و نقد کے کام سے عربی زبان میں دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے پیش کی ہے ۔

اس کتاب میں عربی ادب کی تاریخ پر مدلل بحث کی گئی ہے اور تین بڑے حصوں پر مشتمل ہے ۔

ادب کی حقیقت ❖ تخلیق و تجزیہ ❖ ادبی نمونے

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کے مقدمہ کے ساتھ تقریباً ۴۰۰ صفحات پر یہ کتاب چھپ کر تیار ہوئی ہے

(قیمت عام چار روپے)

Cover Printed at NADWA Press. Lucknow

یکم محرم الحرام سنہ ۱۳۹۰ھ
مطابق
۱۰ مارچ سنہ ۱۹۷۰ء

پندرہ روزہ لکھنؤ
تعمیر حیات
شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

چندہ
سالانہ ..... ۸ روپے
ششماہی ..... ۴ روپے
فی پرچہ ۲۵ پیسے

جلد ۷ | بسم اللہ الرحمٰن الرحیم | شمارہ ۹

تصحیح نیّت

انبیاء علیہم السلام کی امتوں کی عام حالت یہ رہی ہے کہ جوں جوں زمانۂ نبوت سے ان کو بُعد ہوتا تھا، دینی امور (عبادات وغیرہ) اپنی روح اور حقیقت سے خالی ہو کر ان کے ہاں محض "رسوم" کی حیثیت اختیار کر لیتے تھے اور ان کی ادائیگی بس ایک پڑی ہوئی رسم کے طور پر ہوتی تھی، اس گمراہی اور بے راہ روی کی اصلاح کے لئے پھر دوسرے پیغمبر مبعوث ہوتے تھے جو اس رسمی حیثیت کو مٹا کر امتوں کو "امور دین" کی اصل حقیقتوں اور حقیقی روح شریعت سے آشنا کرتے تھے، سب سے آخر میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو اسوقت کی جن قوموں کا تعلق کسی سماوی دین سے تھا ان کی حالت بھی یہی تھی کہ ان کے پیغمبروں کی لائی ہوئی شریعت کا جو حصہ ان کے پاس باقی بھی تھا تو اسکی حیثیت بھی بس چند بے روح رسوم کے مجموعہ کی تھی، انہی رسوم کو وہ اصل دین و شریعت سمجھتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان "رسوم" کو مٹایا اور اصل دینی حقائق اور احکام کی تعلیم دی ـــــ امت محمدی بھی اب اس بیماری میں مبتلا ہو چکی ہے اسکی عبادات تک میں یہ رسمیت آ چکی ہے حتیٰ کہ دین کی تعلیم بھی جو اس قسم کی رسمی خرابیوں کی اصلاح کا ذریعہ ہونی چاہیئے تھی وہ بھی بہت سی جگہ ایک رسم سی ہی بن گئی ہے، لیکن چونکہ سلسلۂ نبوت اب ختم کیا جا چکا ہے اور اس قسم کے کاموں کی ذمہ داری امت کے علماء پر رکھ دی گئی ہے جو نائبین نبی ہیں تو ان ہی کا یہ فرض ہے کہ وہ اس ضلال اور فساد حال کی اصلاح کی طرف خاص طور سے متوجہ ہوں اور اس کا ذریعہ ہے تصحیح نیت، کیونکہ اعمال میں یہ "رسمیت" جب ہی آتی ہے جبکہ ان میں للّٰہیت اور شانِ عبدیت نہیں رہتی اور نیت کی تصحیح سے اعمال کا رخ صحیح ہو کر اللہ ہی کی طرف پھر جاتا ہے اور "رسمیت" کے بجائے ان میں "حقیقت" پیدا ہو جاتی ہے اور ہر کام عبدیت اور خدا پرستی کے جذبہ سے ہوتا ہے۔

الغرض لوگوں کو تصحیح نیت کی طرف متوجہ کر کے ان کے اعمال میں للّٰہیت اور حقیقت پیدا کرنے کی کوشش کرنا علماء امت اور حاملانِ دین کا اس وقت ایک خاص فریضہ ہے۔

ملفوظات

مولانا محمد الیاسؒ

مزید تیاری کی ضرورت

از ـــــــــــ سعید الاعظمی ندوی

موجودہ اسلامی دنیا اور ان تمام ممالک میں جہاں مسلمان آباد ہیں، دین کے خلاف ایک نیا رجحان پایا جاتا ہے، اس رجحان کو ہم چاہیں تو "مارکسزم" سے تعبیر کر سکتے ہیں، یہ اسلام کے خلاف ایک زبردست سازش ہے، اور مسلمانوں کو دینی نقطۂ نظر سے بالکل تباہ و برباد کر دینے کی وہ ناپاک کوشش ہے جس سرپرستی مارکسی ممالک اور کمیونسٹ نظریات رکھنے والی جماعتیں کر رہی ہیں، اور ایسی حکمت عملی سے اس نظریئے کی تبلیغ و اشاعت کا کام ہو رہا ہے کہ بہت سے سادہ لوح مسلمان اس کے خطرات سے واقف ہی نہیں ہو پاتے اور اسکو محض ایک اقتصادی یا سیاسی پروگرام سمجھ کر اس کے دام فریب میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔

اس وقت یہ کام زیادہ تر اشتراکیت کے نام سے انجام پا رہا ہے، چنانچہ بہت سے اسلامی سوچ رکھنے والے ممالک میں اس نقطۂ نظر کو حکومتوں نے اپنا لیا ہے اور اشتراکیت کی بنیاد پر وہ ملک کا سیاسی، سماجی اور اقتصادی ڈھانچہ تیار کر رہے ہیں۔ بعض اسلامی ممالک میں اس نظریہ کو بہت مضبوطی کے ساتھ یہ کہہ کر پھیلانے کی کوشش ہو رہی ہے کہ اس کا اسلام کے اصول و عقائد سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہے اور یہ محض ایک اقتصادی پروگرام ہے جو طبقاتی مساوات کی بنیاد پر قائم ہے اور جس کی وجہ سے امیری غریبی کے فرق کو مٹایا جا سکتا ہے اور دولت چند ہاتھوں میں جمع نہیں ہونے پاتی، بعض جگہوں میں اشتراکیت کو خاص اسلامی نقطۂ نظر بنا کر پیش کرنے کی کوشش ہو رہی ہے، اور اسکو اسلامی اشتراکیت کہہ کر عوام کو فریب میں مبتلا کرنے کی جدوجہد کی جا رہی ہے۔ حالانکہ یہ سب کچھ اسلام کے خلاف زبردست سازش ہے، اور دراصل مارکسزم کی تبلیغ و اشاعت کی تدبیریں ہیں جس کی سرپرستی میں ساری بڑی طاقتیں شریک ہیں، خواہ وہ سرمایہ دارانہ نظام کی داعی ہوں یا اشتراکیت کی علمبردار ہوں، یہ وہ نقطۂ اشتراک ہے جہاں تمام باطل طاقتیں متحد ہو جاتی ہیں۔

یہ بات ہمیشہ سے تسلیم شدہ ہے کہ باطل آپس میں خواہ کتنا ہی دست و گریبان ہوں لیکن اسلام کے مقابلہ میں وہ ہر وقت ایک متحدہ محاذ ہے اس محاذ سے وہ اسلام کے قلب و جگر پر حملہ آور ہونے کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے، اس لیے یہ خیال کرنا کہ اس راہ سے آنے والی کوئی چیز ہمیں فائدہ پہونچا سکتی ہے یا اس سے ہم کو تقویت حاصل ہو سکتی ہے، محض فریب خوردگی ہے اور ناواقفیت و بھولے پن کی دلیل ہے۔

ہمیں جو بات عرض کرنی ہے وہ یہ ہے کہ ان باطل نقطہائے نظر اور فلسفوں کے داعی اپنی دعوت کو پھیلانے اور اسکو عوام کی نظروں میں محبوب و مقبول بنانے کے لیے جس نئے تہذیبی وسائل اور نشر و اشاعت کے جدید، موثر اور تیز رفتار طریقوں کو اپناتے ہیں، وہ صرف انہیں کے ساتھ مخصوص نہیں ہونا چاہیئے۔ یعنی تخریبی دعوتوں کے علمبردار اپنی بات پہنچانے اور اپنی دعوت پھیلانے میں اس قدر نشیط و سرگرم ہوں، اور ذہنوں کو اپیل کرنے، اور عوام کی توجہ مبذول کرانے اور رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لیے ہر اس طریقہ کو اختیار کرنے سے دریغ نہ کریں جو موجودہ علم و سائنس نے دنیا کے سامنے پیش کئے ہیں، تو ہم حق و انصاف کے علمبرداروں اس سے محروم ہیں، اور ان "تیز رفتار" ذرائع کو اپنی دعوت پھیلانے اور اپنا فرض ادا کرنے کے لئے کیوں نہیں استعمال کرتے، جبکہ ہمارے پیش نظر یہ مشہور آیت قرآنی بھی ہے: "واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل، ترھبون بہ عدو اللہ وعدوکم"

علم و تہذیب کسی کی ملکیت نہیں ہے اور نہ اس کے ثمرات و نتائج کسی کے ساتھ مخصوص ہیں، بلکہ جو بھی ان وسائل و ایجادات کو بڑھکر اپنے مصالح کی خدمت میں استعمال کرے گا وہ اس کا ساتھ دیں گے اور اسکو زیادہ سے زیادہ نفع پہونچائیں گے مسلمان اور داعیان اسلام خاص طور سے اس عطیۂ قدرت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں، انہیں چاہیئے کہ وہ اپنے مقدس کام کی تبلیغ و اشاعت میں زیادہ سے زیادہ ان وسائل و ایجادات سے کام لیں، اور ان کو صرف برے کاموں کی تبلیغ و اشاعت کا ذریعہ نہ تصور کریں۔

یہ بزم مے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کر خود اٹھا لے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

یومِ عاشورہ کا روزہ اور اس کی تاریخی اہمیت

(مولانا محمد منظور نعمانی)

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے یہود کو یوم عاشورہ (۱۰ محرم) کا روزہ رکھتے دیکھا — آپ نے ان سے دریافت کیا (تمہاری مذہبی روایات میں) یہ کیا خاص دن ہے (اور اس کی کیا خصوصیت اور اہمیت ہے) کہ تم اس کا روزہ رکھتے ہو۔؟

انھوں نے کہا کہ،

ہمارے یہاں یہ بڑی عظمت والا دن ہے اس میں اللہ تعالےٰ نے موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو نجات دی تھی اور فرعون اور اس کے لشکر کو غرقاب کیا تھا تو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے اس انعام کی شکر میں اس دن کا روزہ رکھا تھا اس لئے ہم بھی (ان کی پیروی میں) اس دن روزہ رکھتے ہیں۔

رسول اللہ صلے اللہ نے فرمایا کہ:

اللہ کے پیغمبر موسیٰ (علیہ السلام) سے ہمارا تعلق تم سے زیادہ ہے اور ہم اس کے زیادہ حقدار ہیں۔ پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خود بھی عاشورہ کا روزہ رکھا اور امت کو بھی اس دن کے روزے کا حکم دیا۔

(صحیح البخاری و صحیح المسلم)

تشریح۔

اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد مدینہ پہونچکر ہی عاشورہ کے دن روزہ رکھنا شروع فرمایا۔ حالانکہ صحیح بخاری و صحیح مسلم ہی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی صریح روایت موجود ہے کہ قریش مکہ میں قبل از اسلام بھی یوم عاشورہ کے روزے کا رواج تھا اور خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں یہ روزہ رکھا کرتے تھے پھر جب آپ نے مدینہ ہجرت فرمائی تو یہاں آکر آپ نے خود بھی یہ روزہ رکھا اور مسلمانوں کو اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ یوم عاشورہ زمانۂ جاہلیت میں قریش مکہ کے نزدیک بھی بڑا محترم دن تھا اسی دن خانۂ کعبہ پر نیا غلاف ڈالا جاتا تھا اور قریش اس دن روزہ رکھتے تھے قیاس یہ ہے کہ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی کچھ روایت اس دن کے بارے میں ان تک پہونچی ہوں گی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ قریش ملتِ ابراہیمی کی نسبت سے جو اچھے کام کرتے تھے ان میں آپ ان سے اتفاق اور اشتراک فرماتے تھے۔ اسی بنا پر حج میں بھی شرکت فرماتے تھے پس اپنے اس اصول کی بنا پر آپ قریش کے ساتھ عاشورہ کا روزہ بھی رکھتے تھے، لیکن دوسروں کو اس کا حکم نہیں دیتے تھے —— پھر جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے اور یہاں کے یہود کو بھی آپ نے عاشورہ کا روزہ رکھتے دیکھا اور ان سے آپ کو یہ معلوم ہوا کہ یہ وہ مبارک تاریخی دن ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو اللہ نے نجات عطا فرمائی تھی اور فرعون اور اس کے لشکر کو غرقاب کیا تھا (اور مسند احمد وغیرہ کی روایت کے مطابق اسی یوم عاشورہ کو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر لگی تھی) تو آپ نے اس دن کے روزے کا زیادہ اہتمام فرمایا اور مسلمانوں کو عمومی حکم دیا کہ وہ بھی اس دن روزہ رکھا کریں بعض احادیث میں ہے کہ آپ نے اس کا ایسا تاکیدی حکم دیا جیسا —— حکم فرائض اور واجبات کے لئے دیا جاتا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ربیع بنت معوذ بن عفراءؓ اور سلمہ بن الاکوعؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم عاشورہ کی صبح مدینہ کے آس پاس کی ان بستیوں میں جن میں انصار رہتے تھے یہ اطلاع بھجوائی کہ جن لوگوں نے ابھی کچھ کھایا پیا نہ ہو وہ آج کے دن روزہ داروں کی طرح رہیں۔

ان حدیثوں کی بنا پر بہت سے ائمہ نے یہ سمجھا ہے کہ شروع میں عاشورہ کا روزہ واجب تھا بعد میں جب رمضان مبارک کے روزے فرض ہوئے تو عاشورہ کے روزے کی فرضیت منسوخ ہوگئی اور اس کی حیثیت ایک نفلی روزے کی رہ گئی جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی اوپر گذر چکا ہے کہ:

"— مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اس کی برکت سے پہلے ایک سال کے گناہوں کی صفائی ہو جائے گی —"

اور یوم عاشورہ کی فرضیت منسوخ ہو جانے کے بعد بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہی رہا ہے کہ آپ رمضان مبارک کے فرض روزوں کے علاوہ سب سے زیادہ اہتمام نفلی روزوں میں اسی کا کرتے تھے۔

حضرت —— عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نہیں دیکھا کہ آپ کسی فضیلت والے دن کے روزے کا بہت زیادہ اہتمام اور فکر کرتے ہوں سوائے اس دن یوم عاشورہ کے اور سوائے اس ماہ مبارک رمضان کے —— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح:

مطلب یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہی سمجھا کہ نفلی روزوں میں جس قدر اہتمام آپ یوم عاشورہ کے روزے کا کرتے تھے اتنا کسی دوسرے نفلی روزے کا نہیں کرتے تھے۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم عاشورہ میں روزہ رکھنے کو اپنا اصول و معمول بنا لیا اور مسلمانوں کو بھی اس کا حکم دیا تو بعض صحابہ نے عرض کیا:

یا رسول اللہ! اس دن کو تو یہود و نصاریٰ بڑے دن کی حیثیت سے مناتے ہیں (اور یہ گویا ان کا قومی و مذہبی شعار ہے اور خاص اس دن ہمارے روزہ رکھنے سے ان کے ساتھ اشتراک اور تشابہ ہوتا ہے، تو کیا اس میں کوئی ایسی تبدیلی ہو سکتی ہے جس کے بعد یہ اشتراک اور تشابہ والی بات باقی نہ رہے)؟ — تو آپ نے ارشاد فرمایا:

انشاء اللہ! جب اگلا سال آئے گا تو ہم نویں کو روزہ رکھیں گے —— عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں —— لیکن اگلے سال کا ماہ محرم آنے سے پہلے ہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات واقع ہو گئی۔ (صحیح مسلم)

تشریح:

ظاہر ہے کہ صحابہ کرامؓ کے اشکال عرض کرنے پر یہ بات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے وفات شریف سے کچھ ہی پہلے فرمائی۔ (باقی ص ۱۰ پر)

اشتراکیت کی فکری بنیادیں

• عبد الحسیب صدیقی

اشتراکیت کے علمبردار بڑی فنی مہارت اور چابکدستی کے ساتھ عوام کو یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ نظام ایک خاص نوعیت کی معاشی ہیئت ہے جس میں معاشرے کے کمزور اور مفلوک الحال طبقات کو سرمایہ داروں کی لوٹ کھسوٹ سے بچانے کا انتظام کیا جاتا ہے اس مقصد کے حصول کی ان کے نزدیک آسان ترین صورت یہ ہے کہ ذرائع پیداوار کو جو ان کی نگاہ میں معاشی استحصال کا سب سے موثر ذریعہ ہیں انفرادی ملکیت سے نکال کر مملکت کی تحویل میں دے دیا جائے اور اس طرح معاشرے کے عام افراد سرمایہ داروں کے ظلم و استبداد سے محفوظ ہو جائیں۔

یہ نقطۂ نظر اشتراکیت کے بڑے ہی سطحی مطالعہ پر مبنی ہے۔ اگر اشتراکیت محض امراء کی چیرہ دستیوں اور ریشہ دوانیوں سے بچنے کی تدبیر ہے تو پھر مارکس سے پہلے کئی ایک انسانیت دوست اہل فکر نے اس مقصد کے لئے مثبت نظریات اور عملی تدابیر پیش کیں۔ ان میں یوں تو ہر طبقے اور خیال کے لوگ شامل ہیں مگر مذہب کے علمبرداروں نے اس سلسلے میں بڑی قابل قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر بے بسوں اور بیکسوں کو ظالموں کے چنگل سے آزاد کرانا ہی اشتراکیت ہے تو پھر اسی کام کو تو مذہبی رہنماؤں نے نہایت اچھے طریقے سے سرانجام دیا۔ اس میں مارکس کو کون سی امتیازی خصوصیت حاصل ہے۔

اگر اس سلسلے میں غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ مارکس کی سب سے بڑی کامیابی یہ نہیں ہے کہ اس نے غریبوں اور ناداروں کو جابروں اور قہاروں کے ظلم و استبداد سے بچایا بلکہ اس کا اصل کارنامہ (بلحاظ اس کے کہ یہ انسانیت کے لئے خیر کا باعث ہوا یا شر کا) یہ ہے کہ اس نے مادیت کی بنیاد پر ایک ایسا نظام فکر و عمل پیش کیا جو انسان کے معتقدات، اس کے مابعد الطبیعی تصورات کائنات کے بارے میں اس کے انداز فکر اور اس کے اپنے مرتبہ و مقام سے بحث کرتا ہے دوسرے لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ مارکس کی فکری کاوشوں سے مادیت ایک پورے نظام حیات کی صورت میں ڈھل گئی۔ اشتراکیت کے فلسفے کو سمجھنے سے پیشتر یہ ضروری ہے کہ سب سے پہلے اس نظام فکر کا جائزہ لیا جائے جس کے بطن سے یہ فلسفہ نکلا ہے۔

بنیادی مسئلہ

انسانیت کی طویل تاریخ پر اگر آپ نگاہ ڈالیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ انسان کے اندر شروع ہی سے یہ کشمکش چلی آرہی ہے کہ کیا اسے اپنی حسی خواہشات کو رہنما بنا کر ان کے مطالبات کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہیے یا کسی ایسے اخلاقی نظام کا پابند ہونا چاہیے جو اس کی حسی خواہشات کو کسی ضابطے کے اندر رکھ کر اسے بلند تر مقصد کی تکمیل کے لئے سرگرم عمل کرے۔ یہ وہ کشمکش ہے جس سے انسان ہمیشہ دوچار رہا ہے آپ اگر چاہیں تو اسے خیر و شر کے مابین کشمکش کہہ لیں۔ اگر چاہیں تو بھلائی اور برائی کی قوتوں کے درمیان آویزش کہہ لیں۔ آپ جس نام سے چاہیں اسے پکاریں مگر انسان کسی دور میں بھی اس سے الگ نہیں رہ سکا پھر یہ کشمکش ایسی ہمہ گیر ہے کہ انسان کے اندر بھی برپا ہے اور انسان کی خارجی زندگی میں بھی پوری طرح نمایاں ہے۔

عام طور پر لوگ پوچھتے ہیں کہ آخر یہ کشمکش کیوں ہے۔ اصل میں اس کشمکش سے کامیابی کے ساتھ گزرنے اور حسی خواہشات کو اعلیٰ اقدار کے تابع کرنے ہی میں انسان کی عظمت کا راز پوشیدہ ہے۔ دوسری مخلوق پر انسان کے تفوق اور برتری کا دارومدار اس بات پر ہے کہ وہ حسی خواہشات کا غلام بننے کے بجائے انہیں اپنا غلام بنائے اور پھر قوت و طاقت کے ان سرچشموں سے کسی اعلیٰ مقصد کی تکمیل کیلئے فائدہ اٹھائے —— انسان کا یہی طرز فکر اور طریق عمل اسے حیوانوں سے ممیز اور ممتاز کرکے اسے اشرف المخلوقات کے مرتبہ پر فائز کرتا ہے۔ اگر انسان بھی حیوانوں کی طرح محض خارجی دباؤ کے زور سے یا حسی خواہشات کی تحریک سے زندگی میں سرگرم عمل رہے تو اس میں اور حیوانوں میں فرق ہی کیا رہ جاتا ہے۔

انسان کا خارجی دباؤ کے بغیر اپنے ضمیر و وجدان کی تحریک پر کسی اخلاقی ضابطہ کی پابندی کرتے ہوئے بعض ارفع و اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لئے ہمت آزما رہنا ہے اس کی اصل بڑائی ہے اس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ انسان کی حقیقی کامیابی یہ ہے کہ وہ اپنی آزادی رائے اور اختیار سے اپنی حسی خواہشات سے بلند تر ہو کر ایک ایسا طرز عمل اختیار کرتا ہے جس میں بسا اوقات ظاہری طور پر مادی مصالح کا نقصان نظر آتا ہے۔

آگے بڑھنے سے پیشتر میں یہاں ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری سمجھتا ہوں۔ بار بار حسی خواہشات کا جس انداز سے ذکر کر رہا ہے اس سے کہیں یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ حسی داعیات بذات خود کوئی ایسے محرکات ہیں جن سے مکمل نجات ہی انسان کی بہتری کی ضمانت ہو سکتی ہے یہ حسی خواہشات اپنی جگہ بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ یہ انسان کو سرگرم عمل کرتی ہیں اور اسے اپنے حفظ و بقا کے لئے جد و جہد کرنے کی ترغیب دیتی ہیں اس لئے ان کا وجود اور ان کی تحریکات اپنی جگہ بڑی اہمیت کی حامل ہیں اور یہ قدرت کے ایک عظیم منصوبہ کا بہت ہی اہم جزو ہیں۔ ان کے وجود میں کوئی خرابی نہیں۔ اصل خرابی وہاں سے شروع ہوتی ہے جہاں انہیں انسان فکر و عمل کا واحد یا اہم ترین محرک سمجھ کر ان کے مطالبات اور تقاضوں کو ہی صحیح اور غلط کا معیار سمجھ لیتا ہے۔ کیونکہ جب انسان یہ موقف اختیار کر کے سرگرم عمل ہوتا ہے تو وہ مادی فوائد و نقصانات سے بلند ہو کر کوئی طرز عمل اختیار نہیں کر سکتا۔ اس صورت میں ان کے نزدیک وحی و الہام، آخرت کی جزا و سزا اوہام بن کر رہ جاتے ہیں۔

دوسرے یہ طرز فکر انسان کو ہر اس تعلیم سے بے نیاز کر دیتا ہے جو اندر سے انسان کی اصلاح پر زور دیتی ہو، مادی نقطۂ نظر کے مطابق حسی خواہشات سے زیادہ کوئی موثر اور طاقتور محرک نہیں بنتا یہاں خارجی محرکات کی کوئی مستحسن صورت نظر نہیں آتی اور انفرادی اور اجتماعی زندگی میں تبدیلی کے دھاروں کو زبردست دباؤ سے بدلا جاتا ہے، یہاں دباؤ کی حیثیت چرواہے کی لاٹھی کی سی ہوتی ہے جس کی مدد سے وہ نہایت مرغوب اور پسندیدہ چیزوں سے بھیڑوں اور بکریوں کو دور رکھ کر انہیں اپنی مرضی کے مطابق جس طرف چاہتا ہے ہانک کرلے جاتا ہے۔

اس ضمن میں ایک بات کو ہمیشہ ذہن نشین رکھنا چاہیے جو فرد یا قوم حسی اور مادی خواہشات کے علاوہ کسی اعلیٰ و ارفع اخلاقی ضابطے کی پابند نہ ہوگی اسے کسی ضابطۂ حیات کا پابند بنانے کے لئے بڑے جبر سے کام لینا پڑے گا، جو جانور ہرے بھرے کھیتوں کی ہریالی سے متاثر اور مرعوب ہو کر ان کی طرف دیوانہ وار لپک پڑتا ہے اسے اگر کوئی اس راہ سے روک کر دوسری طرف لے جانا چاہتا ہو تو اس کے لئے اسے تشدد اور جبر ہی سے کام لینا پڑے گا۔

آپ پوری تاریخ پر نگاہ ڈالیں تو آپ کو انسانی فکر و عمل کے دو محرکات ہی ملیں گے، ایک مادی محرکات جن کا مطلب یہ ہے کہ کسی فرد یا انسانوں کے کسی گروہ کو سرگرم عمل کرنے، ان کی ذہنی اور اخلاقی

قوتوں کو کسی راہ پر لگانے کے لئے مادی فوائد و نقصانات ہی سب سے بڑی طاقت ہیں۔ اس فرد یا گروہ کو ان فوائد و نقصانات سے ہٹا کر کسی بڑے اخلاقی فائدے کے حصول کے لئے آمادہ کرنا جان جوکھوں کا کام ہے اور اس راہ میں جب تک غیر معمولی قوت و طاقت سے کام لے کر انہیں جبر کے ساتھ اس کام پر لگا نہ دیا جائے یہ مقصد کبھی حاصل نہ ہوگا۔

مادی محرکات انسان کو بلاشبہ عمل کی قوت عطا کرتے ہیں مگر وہ انسان کو حیوانی سطح پر رکھتے ہیں اور وہ جانوروں کی طرح لاٹھی کے زور ہی سے مختلف سمتوں میں ارباب بست و کشاد کے منشاء و مرضی کے مطابق ہانکا جاتا ہے۔ میں نے اس سلسلے میں جو کچھ عرض کیا ہے اسے مختصر الفاظ میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ:

اگر عمل کے محرکات صرف مادی اور حسی ہوں تو انسان کسی اخلاقی ضابطے کا پابند نہیں ہوتا اور اس کے افکار و اعمال کے دھارے کو کسی مخصوص رخ پر ڈالنے کے لئے جبر کے علاوہ کوئی دوسرا ہتھیار موثر اور کارگر ثابت نہیں ہوتا مگر وہ اس کے مقابلے میں دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ انسانی زندگی میں اگرچہ مادی اور حسی خواہشات بڑا عمل دخل رکھتی ہیں مگر وہ اس کے فکر و عمل کے بنیادی محرکات نہیں اسے اس کرۂ ارضی پر معین ارفع و اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لئے اتارا گیا ہے اس لئے وہ حسی خواہشات کا اپنے آپ کو غلام بنانا کبھی پسند نہیں کرتا۔ بلکہ انہیں غلام بنانے کی فطری آرزو رکھتا ہے تاکہ اعلیٰ مقاصد کی تکمیل کی راہ میں یہ حائل نہ ہونے پائیں۔ ظاہر بات یہ ہے کہ اعلیٰ مقصد سے محبت تعلیم و تربیت کے بغیر تو پیدا نہیں ہو سکتی۔ اس بنا پر اس نقطۂ نظر کے علمبرداروں کے نزدیک انسان کسی ایسے نظام اخلاق کا طلبگار ہوتا ہے جو انسانی زندگی کو روحانی اقدار کا پابند بنا سکے۔ روحانی اور اخلاقی اقدار کا سرچشمہ حسی خواہشات یا مادی تجربات تو نہیں ہو سکتے اس کے لئے ہمیں لازمی طور پر ان سرچشموں کی طرف رجوع کرنا پڑے گا جو مادی دنیا سے نہیں بلکہ کسی ماورائے محسوسات نظام سے پھوٹتے ہیں۔ باری تعالیٰ ان اقدار کا منبع و مصدر ہوتا ہے اور وہ وحی و الہام کے ذریعہ انہیں اپنے خاص بندوں کی طرف منتقل کرتا ہے جو براہ راست خالق کی نگرانی میں انہیں دنیا میں عملاً نافذ کر کے انسانوں کے رشد و ہدایت کا سامان فراہم کرتے ہیں ان مقدس نفوس کو مذہب کی زبان میں حاملین وحی انبیاء علیہم السلام کہا جاتا ہے۔ آپ اگر ان کے پورے کام کا جائزہ لیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس میں تعلیم و تربیت غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے یہ نیک بندے جو کچھ کہتے ہیں وہ انسانی فطرت کی پکار ہی ہوتی ہے اور دل خود ان کے پیغام کی صحت پر گواہی دیتا ہے لیکن چونکہ ان کے کام کا اصل ہدف عوام کو حسی خواہشات کی بندگی سے نکال کر خالق کی بندگی میں دینا ہوتا ہے اس لئے انہیں عوام کو حیات انسانی کی اعلیٰ و ارفع قدروں کا پابند بنانے کے لئے بہت کچھ محنت کرنی پڑتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حسی خواہشات انسانی زندگی کو سب سے زیادہ اپیل کرتی ہیں۔ ان کے مقابلے میں روحانی اور اخلاقی اقدار کا دار و مدار چند غیر محسوس حقائق پر ہوتا ہے اس لئے ان کا پابند بنانے کیلئے عوام کو شعوری طور پر کوشش کرنا پڑتی ہو یہی وہ اصل سبب ہے جس کی بنا پر انبیاء علیہم السلام کے پروگرام میں تعلیم و تربیت غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے۔

اب اگر تعلیم و تربیت کی اہمیت تسلیم کرلی جائے تو ہمیں لامحالہ ان اداروں کو بھی ماننا پڑے گا جو اس مقصد کے لئے ضروری ہیں یہ ادارے کئی نوعیتوں کے ہو سکتے ہیں مثلاً ایسے ادارے جو انسانی روح کو مختلف آلائشوں سے پاک کریں، جیسے تزکیہ و احسان پھر ایسے ادارے جو انسانوں کو ان اخلاقی اقدار اور حسی خواہشات کے بارے میں صحیح انداز فکر عطا کریں مثلاً تعلیم و تربیت کا نظام۔ ان کے علاوہ معاشرتی سیاسی اور معاشی ادارے جو انسان کو ایک صحیح اخلاقی نظام کے تحت زندگی گذارنے کی سہولتیں اور ماحول بہم پہنچاتے ہیں۔ اس روحانی اور اخلاقی نظام کو موثر بنانے کا انداز حسی نظام سے یکسر جداگانہ ہوتا ہے حسی نظام میں لوگوں کو اپنی خواہشات کے تحت زندگی بسر کرنے کی تمام آزادی ہوتی ہے البتہ ان کی تنظیم کے لئے ان پر ایک انتہائی سخت اور جابرانہ نظام مسلط کرنا پڑتا ہے تاکہ اگر اجتماعی مفاد کے لئے انہیں اس ایک مادی نفع کے محرک کے علاوہ کسی دوسرے مقصد کے لئے استعمال کرنا مقصود ہو تو قوت کے بل بوتے پر ان سے کام لے لیا جائے۔

اس نظام کے برعکس روحانی نظام کے موثر ہونے کا زیادہ دار و مدار فرد کے اپنے ایمان اور افراد کی تعلیم و تربیت پر ہوتا ہے اس میں انسان کو خارجی دباؤ کے تحت نہیں بلکہ ترغیب و تلقین کے ذریعہ اندر سے بدل کر ایک خاص اخلاقی طرز عمل کا پابند بنانے کی کوشش کی جاتی ہے اس مقصد کے لئے سب سے پہلے اس کے دل و دماغ میں ایک خاص طرز فکر کا نقش بٹھایا جاتا ہے جسے مذہبی اصطلاح میں عقیدہ یا ایمان کہا جاتا ہے پھر اس عقیدہ یا ایمان کی اساس پر اس کی تہذیب و تربیت کی جاتی ہے اور اس کے فکر و نگاہ کے زاویوں کو ایسے سانچوں میں ڈھالا جاتا ہے جو اس کے دل میں مادی نفع و نقصان کے مقابلے میں اخلاقی اور روحانی فوائد کی اہمیت کو بڑھائے۔

چنانچہ ان انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات میں مملکت اور معاشرے کی تادیبی کارروائیوں سے کہیں زیادہ کام اصلاح نفس سے لیا جاتا ہے۔ اس کے بعد ایک فرد کو ایک پاکیزہ معاشرتی ماحول میسر کیا جاتا ہو اس کے بعد حکومت کی باری آتی ہے یہاں بھی حکومت کی ذمہ داری محض جبر کے ذریعہ عوام کو مخصوص طرز عمل اختیار کرنے پر مجبور کرنا نہیں ہوتی بلکہ ایجابی طور پر اس پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ نیکی اور بھلائی کو پروان چڑھانے کے لئے تعلیم و تربیت کا ایک اجتماعی نظام قائم کرے اور معروف کو معاشرے میں پھیلانے اور ترقی دینے کے لئے بھرپور کوشش کرے اس ساری ترغیب و تلقین کے باوجود اگر کچھ لوگ برائی کی روش سے باز نہ آئیں اور لوگوں کے امن و سکون کو غارت کرنے پر مصر رہیں تو پھر انہیں سختی سے روک دیا جائے۔ اگر آپ مندرجہ بالا گذارشات پر غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ مادی نظام کے بالمقابل میں روحانی اور اخلاقی نظام میں تین چیزیں بنیادی اہمیت کی حامل ہیں۔

اولاً ——— انسان کو حسی خواہشات سے بلند تر ہو کر سوچنے اور عمل کرنے کے لئے تعلیم و تربیت کی ضرورت ہے اس بنا پر اس نظام میں ایسے تربیتی اداروں کی اہمیت بڑا بنیادی مقام رکھتی ہے۔

ثانیاً ——— اس نظام میں انسان کو فکر و عمل کی بڑی آزادی حاصل ہوتی ہے اور اسے جبر و استبداد کے ذریعہ ایک خاص نہج پر چلانے کے بجائے تلقین و تربیت کی مدد سے ایک خاص طرز عمل اختیار کرنے پر تیار کیا جاتا ہے۔

ثالثاً ——— معاشی معاشرتی اداروں کا کام صرف اسی قدر نہیں ہوتا کہ وہ مختلف قسم کی جکڑ بندیوں کے ذریعہ عوام پر عرصہ حیات تنگ کریں بلکہ ان پر یہ فرض عاید ہوتا ہے کہ وہ ایسی فضا اور ایک ایسا ماحول قائم کریں جس میں انسان کو اپنی روحانی اور اخلاقی ترقی کے لئے موزوں اور مناسب مواقع فراہم ہوں۔

جب ہم اپنی پوری تاریخ پر ایک اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ دنیا کی مختلف قوموں نے ان دو متضاد نظریات کو ہی اپنایا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض قوموں نے ان نظریات کو اپنا کر ان کے تقاضوں کو کما حقہ پورا نہ کیا اور اس بنا پر ان کی زندگیوں میں ان سے نظریات کی پوری آب و تاب نہیں ملتی لیکن جس قوم نے بھی ان میں سے کسی نظریہ حیات کو جس حد تک بھی اپنایا اس حد تک اس کی زندگی کے مختلف گوشوں میں اس کی جھلک بآسانی دیکھی جا سکتی ہے۔

انہی نظریات کو پوری حد تک اپنانے اور زندگی کو ان کے مطابق ڈھالنے میں کوتاہی نے ایک دوسرے گروہ کو جنم دیا جس نے انسانیت کو سب سے زیادہ نقصان پہنچایا ہے اس نے اپنی زندگی تو حسی اور مادی خواہشات کے مطابق ہی بسر کی۔ اور ان کے تقاضوں کو حیات انسانی کے بنیادی مطالبات سمجھ کر کسی فعل کے صحیح اور غلط ہونے کا فیصلہ کیا مگر اس کے ساتھ اجتماعی اداروں کی ضرورت اور اہمیت پر بھی برابر زور دیتا رہا۔ ان اداروں کے قیام کی اسے کچھ اس وجہ سے ضرورت پیش نہ آئی کہ وہ فی الواقع ان کی اہمیت کا باقی ص ۱۲ پر

تحریر: استاذ عبد المنعم البہی
ترجمہ: عبد المجید اصلاحی

ایمان والوں کے اوصاف قرآن کے آئینہ میں

(گذشتہ سے پیوستہ)

۸۔ اگر دشمنوں نے زیادتی کی ہے تو ان کے خلاف انتقامی کارروائی کی جائے۔

والذین اذا اصابہم البغی ہم ینتصرون ——— کوئی بھی انسان انفرادی یا اجتماعی حیثیت سے اپنے دشمن کے خلاف اس وقت تک انتقامی کارروائی نہیں کر سکتا جب تک کہ دنیا کے مقابلہ میں آخرت کا سودا اسے عزیز تر نہ ہو یعنی دنیا کے اندر اور لوگوں کے ہاتھوں میں جو کچھ ہے اس کے مقابلہ میں اسے ترجیح دیتا ہے جو اللہ کے یہاں ہے اس طرح وہ دنیا کی جانب نہ کھنچ سکے گا۔ اور نہ ہی دفع ظلم کے سلسلہ میں کسی طرح کی غفلت اور پہلو تہی ہو سکے گی اس سلسلہ میں کامیابی اور فیروزمندی کی کلید واحد صرف یہی ہے کہ اعلیٰ قدروں کی حفاظت اور اس سے نسبت کی خاطر دنیا و مافیہا سے بالکل بے پرواہ ہو جایا جائے۔

رواداری اور کبیرہ گناہوں اور ظلم و عدوان کی حالتوں سے دور رہنے کے لئے قرآن نے ظلم و زیادتی کے دفاع کے سلسلہ میں دو باتیں جائز کی ہیں۔

۱۔ برائی کا بدلہ ویسا ہی برائی ہو۔ جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا یہ ایک طبعی قانون اور انسانی سنت ہے جو ناقابل شکست ہے۔

۲۔ تنقید و مواخذہ کا نشانہ ظالم بنتا ہے، وہ نہیں ہوتا جو خود ظلم کا دفاع کر رہا ہو ولمن انتصر بعد ظلمہ فاولئک ما علیہم من سبیل۔ انما السبیل علی الذین یظلمون الناس ویبغون فی الارض بغیر الحق۔ یہ لوگ مفاد و بت پرست مادہ پسند حضرات ہوتے ہیں۔ تنقید و ملامت کی بوچھار ان پر پڑے گا۔ یہ تو خود اس دنیا کا حال ہوگا آخرت میں دردناک عذاب الگ سے ہوگا۔ اولئک لہم عذاب الیم۔

ہاں ہم اگر دوسروں کا ظلم ان بلند قدروں کو مجروح نہ کرتا ہو جن پر ایک مومن ایمان رکھتا ہے اور نہ اسکے معاشرہ کو زخمی کرتا ہو تو ایسی صورت میں صبر و مغفرت کا شمار عظیم تر کاموں میں ہوگا یعنی ایسے کام جن کے متحمل صرف مضبوط ایمان اور مستحکم ارادہ والے لوگ ہوتے ہیں۔ ولمن صبر و غفر ان ذلک لمن عزم الامور۔

آیات کا یہ آخری حصہ رواداری کو افضل ترین قابل عمل اصول قرار دے رہا ہے یہ ایک ایسا اصول ہے جو تعمیر پیہم میں موثر اور دائمی رول ادا کر سکتا ہے اور جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا کے سلسلہ میں اس اصول سے صرف اسی وقت ہٹا جا سکتا ہے جبکہ پہلی بات ایمان باللہ میں اضافہ اور اس ایمان کی تقویت میں زیادہ سے زیادہ معاون ثابت ہو رہی ہو

لامادیت، زہد اور روحانیت کا مفہوم اسلام کے نزدیک مذکورہ بالا بیانات کے سلسلہ میں یہ ہے کہ مادہ پرستانہ نظریہ حیات اور سلوک و معاملات حتمی طور پر ان اوصاف کے بالکل المقابل اوصاف کے طالب ہوتے جو کسی مومن کو ہوا کرتے ہیں۔ مادہ پرست اپنے سلوک و معاملات اور عبادت و تصرفات غرض زندگی کے تمام گوشوں میں مادی مزاج کا حامل ہوتا ہے چنانچہ۔

۱۔ مادہ پرست کا اللہ پر ایمان ہوتا ہے، نہ اس کے دین پر اور نہ ہی بلند انسانی قدروں پر وہ عقیدہ رکھتا ہے کیونکہ اس کی عقیدت کا منتہا صرف مادی معبود ہوتا ہے خواہ وہ معبود کوئی پتھر ہو، یا بت ہو یا انسان ہو، مردہ ہو کہ زندہ ہو نتیجہ کے طور پر اللہ کے اوپر اس کا بھروسہ نہیں ہوتا۔ اس کا اعتماد و توکل دوسروں پر ہوتا ہے۔ اور چونکہ غیر اللہ صفات الٰہی سے بالکل خالی ہوتا ہے۔ بالخصوص وہ فانی ہوتا ہے اس لئے وہ ہر دم متغیر رہتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مادہ پرست بدلنے کی جب جب ضرورت محسوس کرتا ہے اپنے مادی معبود کو تبدیل کر لیتا ہے۔

یہیں سے مادہ پرست بت پرست ہوتا ہے۔ یعنی اپنی عبادت و احترام کا مرکز کسی ایک قرار دیتا ہے جن کے متعلق اس کا عقیدہ ہوتا ہے کہ وہ نفع و نقصان کے اصوات مالک ہیں۔

اور یہیں سے مادہ پرست منافقت کے حدود میں داخل ہوتا ہے کیونکہ منافق وہی ہوتا ہے جس کا ظاہری ایمان اندر کے ایمان کی دلیل نہیں ہوتا۔ اور بت پرست چونکہ اپنے عقیدہ میں بدلتا رہتا ہے اس لئے حقیقت سے اس کے ایمان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کا ایمان مفید ہوتا ہے کیونکہ جہاں کہیں ذاتی مصلحت کا تقاضا ہوتا ہے وہ اپنا ایمان ظاہر کرتا ہے اور خدا نخواستہ یہ مصلحت نہ ہو تو وہ ایمان میں بھی جا چھپتا ہے اور ایک دوسرا معبود تلاش کرتا ہے جو اس کی نئی ذاتی مصلحتوں کی تکمیل کر سکے۔

۲۔ مادہ پرست چونکہ ذاتی مصلحت کے حصول کے لئے برابر کوشاں رہتا ہے اسلئے معاصی اور بے حیائی کے کاموں سے بچتا نہیں ہے۔ لوگوں کے اندر آج وہ جس معبود کا احترام کرتا ہے اس کا وہ وفادار نہیں ہوتا اسی طرح وہ کسی شخص کا وفادار نہیں ہوتا۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ یقیناً اس کا احترام کرتا اور ان اخلاقی جرائم سے دور رہتا جو اس کے یا اس کے متعلقین کے خلاف موثر ہوتے ہیں۔

یہ ایک ایسا انسان ہوتا ہے جس کی ذات ضمیر سے خالی، ذاتی نگرانی سے الگ اور ذہنی مراجعت سے بالکل دور مادیت کے سیلاب میں رواں دواں ہوتا ہے سعی و کاوش کا منتہا و مقصود مادی مفاد کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ معاملات کے اندر مادی سبقت اور مادی قواعد ہی پیش نگاہ ہوتے ہیں اس کی ذات انسانی قدروں کے پاس ٹھہر کر تھوڑا غور و فکر کی روادار تک نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ ہر ذریعہ جس سے مقصد برآری ہو جاتی ہے قانونی ذریعہ قرار پا جاتا ہے۔ خواہ اس کی زد پر کتنی ہی عزتیں، شخصیتیں اور جان و مال ہی کیوں نہ آجاتی ہوں اور خواہ فواحش و منکرات، کبیرہ گناہوں اور فسق و معصیت کا بازار ہی کیوں نہ گرم ہو جاتا ہو۔

۳۔ مادہ پرست رواداری اور دست برداری کا سبق بھی نہیں جانتا کیونکہ یہ ایک شریف انسانی مفہوم ہے۔ وہ تو مادی تبادلوں اور مغالطہ بازیوں کا عادی رہتا ہے۔ اس لئے وہ رواداری کے طور پر اور بطیب خاطر دست برداری قبول نہیں کرتا، وہ تو بزدلی ... یا غنیمت کے مواقع ہاتھ سے نکل جانے کے خوف سے تھوڑا نیچے اتر آتا ہے اور بس۔

۴۔ مادہ پرست کے نزدیک باہمی مشاورت کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ آخر کس سلسلہ میں وہ دوسروں سے مشورہ کرے؟ اور کس سلسلہ میں دوسروں سے امید رکھے کہ وہ اسے مشورہ دے گا؟ آیا وہ ایک ایسے معاملہ میں مشورہ کرے گا جس میں مادہ خود اس کے اوپر غالب آچکا ہے؟ یا دوسرے اس کو اس سلسلہ میں مشورہ دیں گے جس میں خود اس کے لئے اتباع کے بغیر کوئی چارہ کار ہی نہیں؟ مادہ پرست کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا وہ ہمہ وقت و ہمہ آن مادی مفاد کی جانب کھنچا ہوتا ہے وہ یوں ساز و سامان کے اندر فارغ البال۔ اسے صاحب بصیرت نہیں بنانے اور نہ ہی اسے کوئی رائے قبول کرنا سکھاتی ہے بظاہر وہ ظلم و قہرمانیت کی طرف مائل ہوتا ہے۔ معاملہ میں اسکے اندر رائے و اختیار ہوتا ہے مگر درحقیقت وہ اپنی مادہ پرستی کی بدولت کمزور اور اپنی رائے اور تصرفات کے اندر بے اختیار سا ہوتا ہے۔

اگر ظلم و استبداد اور انفرادیت فکر و نظر کا اشتباب اس کی جانب کیا جائے تو فی الحقیقت

یہ مظلوم ہوگا۔ کیونکہ اسے فرصت کہاں ہوتی ہے کہ دنیا کی مشغولیت اور اس کی چمک دمک اسے ہر وقت کسی اور ہی جانب مصروف رکھتی ہے۔

۵۔ فی سبیل اللہ یا مصلحت عامہ کی راہ میں اس لئے خرچ کرنے کی امید کیونکر کی جاسکتی ہے جبکہ تصرفات کے اندر اس کا سکہ صرف اس کی ذات ہوتی ہے مادی وجود کے اندر ہر شئے کو وہ صرف اپنے لئے چاہتا ہے اس سلسلہ میں وہ اپنے آپ کو ذلیل کرتا ہے، توہین اور ملامت و سرزنش کو قبول کرتا ہے اور اپنی ذات کو ترجیح دیتا ہے

مادہ پرست سے اس بات کی توقع کیونکر کی جاسکتی ہے کہ وہ دے گا، لے گا نہیں حالانکہ لینے اور نہ دینے کا دلدادہ ہوتا ہے۔ مادیتا ہے بھی تو برائے نام، وہ چوری کرتا ہے اور بے جا قتل کا ارتکاب کرتا ہے قتل جیسے بھیانک جرائم کر ڈالتا ہے۔ دنیا کی لذتوں سے لطف کام ہونے کے لئے دوسروں کی خوشیوں کو کچل کر پھینک دیتا ہے پھر ایسا انسان کیونکر اس انسانی مسلک کو اختیار کر سکتا ہے جو دوسروں کی ضرورتوں میں کام آنا سکھاتا ہے۔

یہ مادیت کا بیمار ہوتا ہے اور جو مادیت کا بیمار ہوتا ہے وہ ان سلیم الطبع انسانوں جیسا معاملہ نہیں رکھ سکتا جنہیں اپنے نفس پر اور اپنی دولت پر قابو حاصل ہوتا ہے اور جنہیں اس بات کی استطاعت ہوتی ہے کہ بالکل آزاد رائے اپنے مسلک و موقف کو دوسروں سے تسلیم کروا لیں

۶۔ پھر وہ کیونکر دوسروں پر ظلم کی صورت میں غلبہ حاصل کر سکتا ہے جبکہ وہ بزدل ہوتا ہے اور ذاتی مادی مصلحتوں کے حصول میں اپنے آپ کو ذلیل کر دیتا ہے غلبہ و اقتدار تو وہی حاصل کر سکتا ہے جو بلند انسانی تدریج کو ترجیح دیتا ہے انجام کو آغاز پر افضل جانتا ہو آزادانہ رائے کو پسند کرتا ہو ہر مادی ذمہ داری کے مقابلہ میں انسانی شرافت کو ترجیح دیتا ہو۔

مادہ پرست کبھی بھی غلبہ و اقتدار کا مالک نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ خود اپنے اور دوسروں کے حق میں بیک وقت ظالم ہوتا ہے۔

اپنے نفس کے حق میں ظالم اس لئے ہوتا ہے کہ وہ اسے ایسے آداب شریف انسان نفس بننے کا موقع نہیں دیتا جو مادیت کی تیرہ و تار فضاؤں میں، رہا پسند نہ کرتا ہو دوسروں کے حق میں ظالم اس لئے ہوتا ہے کہ وہ دوسروں پر ظلم و تعدی کے لئے آمادہ کار رہتا ہے، نیز خود کبھی گناہوں اور بے جا قتل کی باتوں سے اجتناب اختیار نہیں کرتا۔

انما السبیل علی الذین یظلمون الناس و یبغون فی الارض بغیر الحق۔

اس کے پاس کوئی ایسا ایمان بھی نہیں ہوتا جو اسے غلبہ و اقتدار بخشے مادیت پر اس کا عقیدہ و ایمان پسند ہوتا ہے اور مدت و تاخیر میں بالکل محدود و ناپائیدار ہوتا ہے اس لئے وہ زیادہ دیر تک میدان میں ٹک نہیں سکتا اور جہاں مصائب و مشکلات کی آندھیاں ہوں وہاں وہ ایک منٹ کے لئے بھی رک نہیں سکتا۔

اس جگہ جبکہ اسلام مذکورہ آیات کے اندر مادہ پرستی اور روحانیت کے نتائج کا اظہار کرتا ہے تو ایسا اس انسان کی مصلحت کے پیش نظر کرتا ہے۔ جو انسان بن کر زندہ رہنا چاہتا ہے نیز اس معاشرہ کی فلاح و بہبود کی خاطر ان نتائج کو پیش کرتا ہے جس کے افراد کو باہم پیوست رکھنا چاہتا ہے۔ اس سلسلہ میں اس کی بنیاد نفوس انسانی کی رضامندی اور حق خود اختیاری ہوتی ہے جسے وہ محبت و سلامتی کی فضا ہموار پانے کی راہ میں استعمال کرتے ہیں۔

مادیت و روحانیت اور ان کے اثرات کو محدود رکھ کر اسلام کا مقصد ہرگز نہیں ہے کہ انسان ایک فرد یا معاشرہ کا ایک رکن ہونے کی حیثیت سے دنیا سے متنفر ہو، چنانچہ قرآن پاک مسلمانوں کو موقعہ دیتا ہے کہ دنیوی سامان سے فائدہ اٹھائیں اور اس کی زینت و آرائش سے اپنے آپ کو آراستہ کریں۔ مگر اس حد تک کہ اسراف و فضول خرچی کی سرحدوں میں نہ داخل ہوں یعنی مادیت کے دائرہ میں نہ داخل ہوں اور اسی طرح مادیت کے نتائج شرک و بت پرستی میں مبتلا نہ ہوں نیز بے جا قتل کی باتوں، فساد فی الارض اور ظلم و تعدی کا شیوہ نہ اختیار کریں۔

قرآن پاک دوسری آیات کے اندر صاف کہتا ہے۔

یا بنی آدم

آدم کے بیٹو!

خذوا زینتکم عند کل مسجد۔

ہر سجدہ کی جگہ پر اپنی آرائش اختیار کرو۔

وکلوا و اشربوا۔

اور کھاؤ اور پیو۔

ولا تسرفوا انہ لا یحب المسرفین۔

مگر اسراف نہ کرو وہ فضول خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق۔

کہہ دیجئے کس نے اللہ کی اس زینت کو حرام ٹھہرایا ہے جسے اس نے اپنے بندوں کے لئے نکالا ہے اور پاکیزہ رزق (کس نے حرام کئے ہیں)

قل ھی للذین اٰمنوا فی الحیاۃ الدنیا خالصۃ یوم القیامۃ کذالک نفصل الآیات لقوم یعلمون۔

کہہ دیجئے یہ مسلمانوں کے لئے دنیاوی زندگی کے اندر ہیں اور قیامت کے دن خاص کر ان کے لئے ہیں اسی طرح ہم آیات کی تفصیل ان کے لئے پیش کرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں۔

بنا بریں اسلام زیب و زینت اور اکل و شرب کا حکم دیتا ہے اور جسے حرام قرار دیتا ہے اس کے خلاف آواز بلند کرتا ہے بلکہ اسی طرح جو لوگ پاکیزہ رزق کو حرام قرار دیتے ہیں اس کے خلاف بھی آواز بلند کرتا ہے اور پھر برزور یہ کہتا ہے کہ یہ مسلمانوں کے لئے حلال ہیں دنیا کے اندر اور آخرت میں تنہا انہی کا حصہ ہے۔

مگر وہ بات جسے وہ مسلمانوں کے لئے جائز نہیں رکھتا وہ ہے اسراف جو کفر ہے کیونکہ اس کا انجام جنگی اور ہر انسان زندگی کے اندر انتہائی دردناک صورت میں رہا

"تعمیر حیات"
میں
اشتہار دے کر
اپنی تجارت کو فروغ دیجئے

مشاہیر علماء و مفکرین کا جامعۃ الفلاح کے طلبہ سے خطاب

مرتب
رحمتے الاثری فلاحی

آل انڈیا اسلامک اسٹیڈیز کانفرنس کے اجلاس ششم کے موقع پر ملک کے طول و عرض سے آئے ہوئے تمام مندوبین کرام کو جامعۃ الفلاح آنے کی دعوت دی گئی تھی تمام لوگ جامعہ تشریف لائے لیکن وقت کی کمی کے باعث نہایت مختصر پروگرام کے بعد معزز مہمانوں کی واپسی ہوگئی اور یہیں بادل ناخواستہ انہیں بہت جلد الوداع کہنا پڑا۔ محترم مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی مدیر صدق اور ڈاکٹر عبد العلیم صاحب وائس چانسلر علیگڈھ مسلم یونیورسٹی طبیعت کی ناسازگی کی بنا پر نہیں آسکے تھے۔ نیز مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ العالی کی تقریر جو جامعہ میں طلبا کے سامنے ہوئی وقت کی قلت کے باعث نہایت مختصر رہی جس سے طالبان دین کی تشنگی کم ہونے کے بجائے اور بڑھ گئی۔ اس لئے دوسرے دن صبح سویرے اعلیٰ درجات کے تقریباً تمام طلبہ محترم مولانا عبد الحسیب صاحب کی قیادت میں دار المصنفین پہونچ گئے تاکہ مشاہیر علماء اور مفکرین کی خدمت میں چند ساعتیں گذار کر اپنی علمی پیاس بجھا سکیں اور ان کی گراں قدر نصیحتوں سے مستفیض ہو سکیں، طلبہ پہلے مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ سے درخواست کی گئی کہ جامعۃ الفلاح کے طلبہ آپ کی خدمت میں کچھ سننے کیلئے حاضر ہوئے ہیں۔ مولانا سید اکبر آبادی صاحب ناظم شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور مدیر ماہنامہ برہان جو وہیں پر موجود تھے مولانا کی نقاہت و طبیعت کی ناسازگاری کا خیال کرتے ہوئے درخواست کی کہ میں آپ کی طرف سے ان بچوں کو کچھ کہہ دوں اور آپ آرام فرمائیں چنانچہ آپ وہیں اوپر برآمدے میں کھڑے ہو گئے اور طلبا نے نہایت باقاعدگی کے ساتھ نیچے صحن میں باندھ لیں، آپ نے کہا:

اسلام کا تصور بہت ارفع ہے۔

میرے عزیزو! کل میں تمہارے یہاں گیا تھا۔ یہیں تمہارا مدرسہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی لیکن اس بات کا افسوس ہوا کہ اطمینان سے رہ کر اس کا تفصیلی تعارف نہ حاصل کر سکا۔ ایک دو روز از خط میں اور ایک دیہات کے ماحول میں طالبان دین کا اس قدر مجمع اکٹھا ہو جانا واقعی تعجب انگیز ہے لیکن جس مقصد کے لئے آپ نے اپنا گھر بار، وطن، ماں باپ، اعزہ و اقارب اور ساری دلچسپیاں چھوڑی ہیں اور یہاں آکر اس ویرانے کو بسایا ہے وہ بہت ہی عظیم اور اعلیٰ مقصد ہے۔ اگر آپ کو اپنے مقصد کا صحیح شعور ہو اور اس حقیقت کو سمجھ جائیں تو یہ ساری تکلیفیں جو آپ کو اس راہ میں یہاں برداشت کرنی پڑ رہی ہیں در اصل راحت کا سبب ہوں گی۔

میرے عزیزو! لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ دنیا عیش و عشرت کی جاہ ہے اور وہ اسی کے لئے اپنی عمر صرف کر دیتے ہیں لیکن اسلام کا تصور اس سے بہت اعلیٰ و ارفع ہے وہ تو ہمیں یہ تصور دیتا ہے کہ یہ دنیا تمہارے لئے ہی پیدا کی گئی ہے لیکن تم آخرت کے لئے پیدا کئے گئے ہو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کائنات در اصل ایک امانت ہے جو آپ کو سونپی گئی ہے اب آپ کو اس کا انتظام کرنا ہے اور اس کا حساب و کتاب چکانا ہے۔ آپ نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے ربوبیت خداوندی کا ذکر کیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے جہاں جسمانی ربوبیت کا انتظام فرمایا ہے روحانی ربوبیت کو یونہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ معنوی و روحانی ربوبیت کے لئے اس نے ہر زمانے میں اپنے پیغمبروں کو بھیجا اور ان کے ذریعہ انسانوں کو انسانیت کی راہ دکھائی ہے۔ جسمانی ربوبیت کا ظہور تاجروں، کسانوں، مزدوروں، اور ڈاکٹروں کے ذریعہ ہوتا رہا ہے۔ اگر ہم غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اعلیٰ و ارفع ربوبیت در اصل معنوی و روحانی ربوبیت ہی ہے اور ان دونوں میں تعلق وہی ہے جو جسم اور روح میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس معنوی و روحانی ربوبیت کے ظہور کا ذریعہ پیغمبروں کو بنایا چنانچہ کتاب مقدس میں تخلیق سموات و ارض (امن خلق الارض الآیۃ) کو اپنا احسان بتایا ہے وہیں وھو الذی یبعث فی الامیین رسولا منھم کو بھی احسان گنایا ہے یعنی وہ خدا ہی ہے جس نے امی لوگوں میں ایک رسول کو مبعوث کیا اور گویا یہ بھی تم پر ایک احسان ہے۔

میرے عزیزو! اب پیغمبری کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے جو کتاب ہمارے پاس ہے آخری کتاب ہے اور جو دین ہمیں ملا ہے آخری دین ہے جیسا کہ اس کی صراحت ان الفاظ میں کر دی ہے الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ یعنی آج ہم نے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اس طرح اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔

آپ ہی اصل ڈاکٹر ہیں۔

عزیزو! ہر چیز میں اس کی ایک سنت ہے اور اس کے بارے میں اس نے کہا ہے لن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔ پیغمبروں کو اصلاح و ہدایت کے لئے بھیجنا اس کی سنت ہے۔ اسی کا سلسلہ اب ختم ہو چکا ہے۔ ہمیں سوچنا ہے کہ اب اصلاح و ہدایت کیسے ہو؟ کیا اصلاح و سنت بدل جائے گی، نہیں ایسا نہیں ہو سکتا ہے اس لئے کہ اس کی سنت بدلا نہیں کرتی چنانچہ اسی سنت کے اجیار کے لئے علماء کو پیدا کرتا رہا ہے اور ہر زمانہ میں کرتا رہے گا اور خدا کا شکر ہے آپ لوگ جو کام کر رہے ہیں اسی سنت کے احیاء کا کام ہے اور یہی اصل کام ہے۔ اگر ایک کسان غلہ اگاتا ہے، ایک تاجر ضروریات زندگی فراہم کرتا ہے ایک ڈاکٹر آپ کے جسمانی درد کا علاج کرتا ہے تو آپ بھی ایک ڈاکٹر ہیں اور آپ ہی اصل ڈاکٹر ہیں کیوں کہ روح کے درد کا درماں آپ کے پاس ہے۔

میرے عزیزو! جو دشواریاں تمہیں اس راہ میں پیش آئیں انہیں انگیز کرنا چاہئے اور خوش ہونا چاہئے ..... کہ اس راہ میں ہم نے بھی تکلیف اٹھائی اور اجر کے مستحق ہوئے اور ہمیں اپنی روح کے علاج کا موقع ملا۔ آپ کے اس کام پر میں تہ دل سے مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس مقصد میں کامیاب بنائے آمین۔

اس کے بعد مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیئے اور کہا کہ ہمیں آپ لوگوں کو دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی خدا تعالیٰ آپ لوگوں سے دین کی خدمت لے۔ آمین۔

یہاں سے فارغ ہو کر ہم لوگ آگے بڑھے اور حضرت مولانا عبد الحسیب صاحب اصلاحی نے جو طلبہ کی رہنمائی کر رہے تھے ڈاکٹر عبد العلیم صاحب وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علیگڈھ سے درخواست کی کہ جامعۃ الفلاح کے طلبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ آپ کی طبیعت اگرچہ ناساز تھی لیکن یہ سنکر کہ طلبہ جامعۃ الفلاح سے آئے ہیں اور میلوں کا سفر کر کے آئے ہیں تو اٹھ کر باہر آگئے۔ یہاں بھی وہی منظر رہا۔ ڈاکٹر صاحب برآمدہ میں کھڑے ہو گئے اور طلبہ صحن میں، آپ نے کہا:

جامعۃ الفلاح میں قدیم و جدید کا امتزاج۔

مجھے افسوس ہے کہ میں کل آپ لوگوں کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکا اور جامعۃ الفلاح کو دیکھنے کا موقع نہ مل سکا۔

کل ہمارے شانے میں تکلیف تھی، آپ نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا کہ ہمیں یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ آپ کی جامعہ میں علوم اسلامیہ کے ساتھ علوم عصریہ انگریزی، سوکس، اکنامکس اور پالیٹکس کی بھی تعلیم ہوتی ہے۔ بنیادی نقطۂ نظر سے ان علوم کی بڑی اہمیت ہے اور سارے لوگ ہی اس کے حصول کے لئے کوشاں ہیں لیکن اگر آپ صرف دین ہی کی خدمت کرنی چاہتے ہیں پھر بھی آج ان حالات میں جدید علوم کے بغیر دین کی بھی کوئی خدمت ممکن نہیں ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ آج نئے نئے خیالات ونظریات پروان چڑھ رہے ہیں۔ اگر آپ نے ان کے خیالات ونظریات نہیں سمجھے تو ان کی تردید آپ کیسے کریں گے اور اپنی بات ان تک کیسے پہونچا سکیں گے۔ اس لئے آج ہر فرد کو چاہیئے کہ وہ کسی بھی میدان میں کام کر رہا ہو اس کے لئے ان علوم کا سیکھنا نہایت ضروری ہے۔ اور آج مدارس اسلامیہ میں ان کا امتزاج بہت اچھا ہے اور ہمیں خوشی ہے کہ آپ کے مدرسہ نے اسی طرز کا نصاب قبول کیا ہے۔

آخیر میں آپ نے طلبہ کو دعا دیتے ہوئے اپنی تقریر ختم کی، اور پھر خود ہی یہ کہتے ہوئے نیچے اتر آئے "آپ لوگ بہت دور سے ملنے آئے ہیں آیئے مصافحہ کرلوں، چنانچہ انہوں نے مصافحہ کے لئے اپنے ہاتھ بڑھا دیئے اور باری باری لڑکوں سے مصافحہ کیا۔

خودان کا کورس کیا کم ہے؟

یہاں سے ہم لوگ آگے بڑھے اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کی طرف چلے ان سے درخواست کی گئی اور انہوں نے تمام طلبہ کو اپنی قیام گاہ میں بلالیا، تمام لوگ خاموشی سے بیٹھ گئے اور مطالعہ کے سلسلے میں مولانا سے استفسار کیا۔ آپ نے اپنی گفتگو میں بار بار اس کا اعادہ کیا کہ آپ لوگوں سے اطمینان سے ملاقات نہ ہوسکی اگر آئندہ پھر موقعہ ملا تو انشاء اللہ ہم اطمینان سے کچھ سن سکیں گے۔

بعض طلبہ نے مولانا سے مطالعہ کے سلسلے میں ہدایات چاہی تو آپ نے اکبر الہ آبادی کا واقعہ سنایا کہ علی گڑھ کے طلبہ نے ان کو اپنے یہاں بلایا تاکہ وہ نصیحت کریں تو انہوں نے جواب میں یہ شعر کہا ؎

خودان کا کورس کیا کم ہے کہ میں بھی کچھ کہوں ان سے
میری جانب سے بس کانگرس کے لڑکوں کو دعا کہئے

کس فن میں اختصاص پیدا کیجئے۔

آپ نے فرمایا۔ دوران تعلیم اس کا خیال رکھئے کہ آپ کو کسی ایک چیز میں اختصاص پیدا کرنا ہے، اور آپ نے کسی بھی فن میں کمال حاصل کرلیا تو چاہے آپ کسی پہاڑ کی چوٹی پر ہوں یا کسی تنگ وتاریک غار میں لوگ آپ کو ڈھونڈ نکالیں گے اور ہاتھوں ہاتھ لیں گے اور یہی وجہ ہے کہ مولانا شبلی مولانا چریا کوٹی کے پاؤں دبایا کرتے تھے۔ آپ کو چاہیئے کہ آپ کسی فن میں اختصاص پیدا کریں اور پھر دیکھیں کہ آپ کی کیا قدر ہوتی ہے! ع

کسب مال کن کہ عزیز جہاں شوی

آج لوگ یہ کہتے ہیں کہ زمانہ بدل گیا ہے اب ان علوم کی کوئی ضرورت نہیں رہی لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے آپ اس تعلیم میں کوشش نہ کیجئے اور پھر ملک والوں کے سامنے یہ ثابت کر دکھائیے کہ تمہاری ضرورت ہے۔ اور عربی مدارس کے باقی رہنے کی واحد راہ یہی ہے کہ آپ اپنے کمال سے احتیاج ثابت کر دیجئے۔

باکمال افراد کی کمیابی پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا ــــ کہ کثرت مفاہیم کثرت مصنفین اور کثرت مطالعہ انسان کی کمال کی راہ میں حائل ہوجاتی ہے اس لئے ضرورت ہے کہ کوئی بھی ایک مصنف طالب علم کے ذہن ودماغ میں رچ بس جائے کیونکہ ہر ایک مصنف کی کتاب پڑھکر اس کا اسلوب نگارش اختیار کرنے کی کوشش کرنا اپنے آپ کو برباد کرنے کے مترادف ہے نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ آدمی کسی کے بھی طرز نگارش کو اپنا نہیں پاتا۔ اس لئے قاعدے کی بات یہ ہے کہ کسی ایک مصنف کا طرز اختیار کرو اور اسکو اتنا پڑھو اتنا لکھو کہ لوگ تمہاری اور اس کی تحریر میں فرق کرنا بھول جائیں۔ بعض طلبہ نے انتخاب مصنف کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا ابن المقفع اور حافظ وغیرہ صاحب طرز انشاء پرداز ہیں۔ اب آپ کو چاہیئے کہ ان میں سے کسی ایک کو منتخب کرلیں اور ان کی تصانیف کا مطالعہ کریں۔ اگر آپ نے تمام مصنفین کی آدھی ادھوری کتاب پڑھی تو اس طرح آپ کی شخصیت تیار نہ ہوسکے گی۔ جب آپ کسی ایک مصنف پر پوری طرح تیار ہوجائیں اور موقع ملے تو قدیم مستند چیز پڑھنی چاہیئے کیونکہ ان کے بغیر کوئی کام نہ چلے گا۔

اگر آپ قدیم سے جدید کی طرف آئیں تو اسمیں گہرائی ہوگی اور آپ کا کلام بھی موثر ہوگا۔ مثلاً تاریخ میں آپ مخضرم کو دیکھتے ہیں کہ ان کا کلام کس قدر زوردار اور موثر ہے۔ آپ اپنے سامنے کی مثالیں دیکھئے حالی، سرسید، اور آزاد سب کے سب قدیم سے جدید کی طرف آئے اور یہی وجہ ہے کہ ادب میں ان کا مقام بہت بلند ہے ــــ اگر آپ جدید میں رہے تو استحکام ہرگز نہ پیدا ہوسکے گا ــــ یہ بات یاد رکھئے کہ جب تک انسان کے ذہن ودماغ پر کوئی ادیب چھا نہ جائے اور اس کی زندگی کا ایک ایک گوشہ اس کے رگ وپے میں رچ نہ جائے اس سلسلے میں کوئی خاطر خواہ کامیابی ممکن نہیں ہے۔

بقیہ:- "یوم عاشورہ"

اتنی پہلے کہ اس کے بعد محرم کا مہینہ آیا ہی نہیں اور اس لئے ..... اس نئے فیصلے پر عمل درآمد صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں نہیں ہوسکا، لیکن امت کو رہنمائی مل گئی کہ اس طرح کے اشتراک اور تشابہ سے بچنا چاہیئے ــــ چنانچہ اسی مقصد کے لئے آپ نے یہ طے فرمایا کہ انشاء اللہ آئندہ سال سے ہم نویں کا روزہ رکھیں گے۔

نویں کو روزہ رکھنے کا آپ نے جو فیصلہ فرمایا اس کے دو مطلب ہوسکتے ہیں اور علماء نے دونوں بیان کئے ہیں۔

ایک یہ کہ آئندہ سے ہم بجائے دسویں محرم کے یہ روزہ نویں محرم ہی کو رکھا کریں گے۔

دوسرا یہ کہ آئندہ ہم دسویں محرم کے ساتھ نویں کا بھی روزہ رکھا کرینگے، اور اس طرح سے ہمارے یہود ونصاریٰ کے طرز عمل میں فرق ہوجائے گا۔

اکثر علماء نے اسی دوسرے مطلب کو ترجیح دی ہے اور یہ کہا ہے کہ یوم عاشورہ کے ساتھ اس سے پہلے نویں کا روزہ بھی رکھا جائے اور اگر نویں کو کسی وجہ سے نہ رکھا جاسکے تو اس کے بعد کے دن گیارہویں کو رکھ لیا جائے۔

یہ عاجز عرض کرتا ہے کہ ہمارے زمانہ میں چونکہ یہود ونصاریٰ وغیرہ یوم عاشورہ (دسویں محرم) کو روزہ نہیں رکھتے بلکہ ان کا کوئی کام بھی قمری مہینوں کے حساب سے نہیں ہوتا۔ اس لئے اب کسی اشتراک اور تشابہ کا سوال ہی نہیں رہا، لہذا فی زمانہ رفع تشابہ کے لئے نویں یا گیارہویں کا روزہ رکھنے کی ضرورت نہ ہونی چاہیئے ــــ واللہ اعلم

درخواست ایصال ثواب

حاجی عبدالخالق صاحب سردار مالیگاؤں کی والدہ کا یکم مارچ ۱۹۷۰ء کو انتقال ہوگیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حاجی صاحب موصوف دارالعلوم کے مخلص معاون ہیں۔ احباب ومخلصین سے استدعا ہے کہ وہ مرحومہ کے لئے ایصال ثواب اور دعاء مغفرت فرمائیں اللہ تعالیٰ اجر دے گا۔ (ادارہ)

فقہی مسائل

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ہذا میں کہ اگر کوئی شخص اپنی لڑکی کی شادی کرے اور جہیز میں بہت سا سامان زیورات کپڑا وغیرہ دے اس میں سے کچھ لڑکے کے استعمال کی چیزیں ہوں اور کچھ لڑکی کے استعمال کی چیزیں ہوں اور لڑکی کچھ عرصہ شوہر کے ساتھ رہے بعد کو شوہر لڑکی کو کسی وجہ سے طلاق دینا چاہے تو کیا لڑکی کے دل کو شرعاً جہیز میں دیا ہوا سامان لینے کا حق حاصل ہے اگر ہے تو کیوں؟ اگر نہیں تو کیوں؟ شریعت مطہرہ کا اس میں کیا فیصلہ ہے امید ہے کہ جواب بالصواب سے مطلع فرمائیں گے۔

الجواب

ہوالمصوب۔ والدین کچھ سامان تو لڑکے یعنی شوہر کو دیتے ہیں مثلاً گھڑی سائیکل لڑکے کے کپڑے جوتہ وغیرہ وہ شوہر کی ملکیت ہوں گے وہ طلاق کے بعد واپس نہیں لیا جائے گا۔ لیکن کچھ سامان لڑکی کو دیتے ہیں جیسے زیورات کپڑے برتن وغیرہ وہ لڑکی کی ملکیت میں ہوتے ہیں ایسے سامان کے واپس لینے کا لڑکی یا اس کے ولی کو حق حاصل ہے عرف عام کی وجہ سے دونوں طرح کے سامان کی تعیین کی جاسکتی ہے کہ کون کون سا سامان لڑکی کو دیا گیا ہے اور کون کون سا لڑکے کو۔ فقط

محمد ظہور ندوی عفا اللہ عنہ

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ اگر کوئی اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاق دے اور کچھ لوگوں سے کہہ بھی دے کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی ہیں اس کے پانچ چھ ماہ بعد وہ اس بات کا انکار کردے کہ اس نے طلاق دی ہے حالانکہ جن لوگوں سے اس نے کہا تھا انمیں کا ایک شخص گواہ بھی ہے اور بقیہ اس سلسلہ میں انکار کر رہے ہیں تو ایسی صورت میں طلاق کی کیا شکل ہوگی جواب مفصل تحریر فرمائیں تاکہ کسی قسم کا اشکال باقی نہ رہے۔

الجواب

ہوالمصوب۔ اگر تحقیق سے تین طلاقوں کا ثبوت ہو اور شوہر اپنے فسق وفجور کی وجہ سے بعد کو انکار کر رہا ہو تو عورت کے لئے جائز نہیں ہے کہ شوہر سے تعلقات قائم رکھے اور اگر ثبوت ہی نہ ہو اور شوہر صالح ہو تو عورت تعلقات باقی رکھ سکتی ہے

فقط۔ محمد ظہور ندوی عفا اللہ عنہ۔

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ زید نے عمرو کے پاس ایک قطعہ زمین کچھ روپیوں کے بدلے بایں شرط رہن کیا۔ کہ اگر میں یہ روپے ادا نہ کرسکوں تو آپ زمین کے مالک اور قابض ودخیل ہونگے اور ابھی زید روپیہ لے کر زمین رہن کرا ہی پایا تھا کہ زید کا انتقال ہوگیا اب آیا عمرو کے لئے اس زمین پر قبضہ ودخل جائز ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہے تو اس کے جواز کی کیا صورت ہوسکتی ہے

الجواب

ہوالمصوب۔ اس زمین کا مالک اب عمرو ہے فان وکل الراھن المرتھن او وکل العدل او غیرھا بیعہ عند حلول الاجل صح توکیلہ او در مختار فقط۔

محمد ظہور ندوی عفا اللہ عنہ

دار العلوم ندوۃ العلماء
کا
اسلامی کلینڈر
سنہ ۱۳۸۹ھ
۱۹۷۰ء
قیمت ــــ ۵۰ پیسے
ملنے کا پتہ
مکتبہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ترنیداد کے مسلمان

ترجمہ و تلخیص ـــــ از ـــــ محمود الازہار ندوی

ترنیداد میں مسلمانوں کی تعداد کم ضرور ہے لیکن سوسائٹی میں ان کا ایک مقام ہے تمام دوسرے فرقے ان کو احترام و عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں یہ اسلامی کاموں میں دلچسپی لیتے ہیں اور ممکن حد تک ان کو کام کرنے کی اجازت ہے، جمعیۃ دعوت اسلامی جس کا مرکز ترنیداد میں ہے اس کا اثر و نفوذ قریب کے دوسرے شہروں اور ہالینڈی مقبوضات اور جنوبی امریکہ کے دوسرے شہروں تک ہے۔ یہ انجمن ایک ماہوار مجلہ "مشعلۃ الاسلام" انگریزی زبان میں نکالتی ہے جمعیت انجمن کا کام اسلامی دعوت اور تبلیغ اسلام ہے اس کے باوجود ان کے تعلقات اسلامی ممالک سے تقریباً منقطع ہیں۔

دوسرے ملکوں کے مسلمان ترنیداد اور گیانا کے مسلمانوں کے متعلق بہت کم جانتے ہیں کیونکہ ان میں کوئی باہم ربط نہیں ہے نہ وفود کا تبادلہ ہوتا ہے اور نہ کتابوں ہی کا تبادلہ ہوتا ہے اس وقت ترنیداد میں معتد داسلامی اور عرب آبادیاں ہیں، پانچ ہزار عرب مہاجروں نے دوسری جنگ عظیم کے بعد اس جزیرہ میں پناہ لی۔ ترنیداد کی کل آبادی مختلف مذاہب اور مختلف قوموں کو ملا کر ایک لاکھ سے زائد ہے، لیکن قومیت ایک ہے۔

مسلمان اپنے دین پر سختی سے عمل پیرا ہیں اور ارکان اسلام ادا کرنے کی مکمل آزادی ہے وہ آپس میں متحد اور شیر و شکر ہیں مسلمان لڑکوں کو ترنیدادی اساتذہ کے ذریعہ دین اسلام کی تعلیم دی جاتی ہے

ترنیداد کا دار السلطنت پورٹ شپین ہے، یہ خوبصورت شہر تجارتی اور صنعتی مرکز ہے اس کے علاوہ اور دوسرے شہروں میں جو نہایت خوبصورت اور حسین مانے جاتے ہیں ۱۱۰۰۰ میں قابل ذکر سان فرڈیناڈ شہر ہے۔

در پیش مشکلات

جزیرہ کا دیکھا اس وقت الحادی عقائد سے شدید مشکلات اور خطرات در پیش ہیں۔ یہ عجیب اور نئے انداز سے نئی نسل اور مزدور طبقوں میں تیزی سے پھیل رہا ہے اور دوسرے باشندے بھی تیزی سے اس کی طرف مائل ہوتے جارہے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ جدید آئیڈیا واحد عقیدہ ہے جو دنیا کو مشکلات سے نجات دلائے گا، افسوس کی بات یہ ہے کہ وہاں کوئی مستحکم تحریک نہیں ہے جو اس طرح سے خیالات اور افکار کا مقابلہ کر سکے۔ پورا جزیرہ اس کی طرف کھنچا چلا جارہا ہے اور سوسائٹی میں جراثیم کی طرح گھستا چلا جارہا ہے ـــــ جمعیۃ دعوت اسلامی کی سرگرمیاں اور اثر و نفوذ صرف اسلامی دعوت تک محدود ہے الحادی اور خطرناک سرگرمیوں کا مقابلہ کرنے کی طرف اس کی توجہ نہیں ہے ـــ مجسمہ کاریگری میں لاتعداد چھوٹے چھوٹے جزیرے پھیلے ہوئے ہیں جو دنیا کے خوبصورت ترین جزیرے مانے جاتے ہیں یہ جزیرہ "ترنیداد" پھولوں اور خوشبوؤں کے جزیرہ کے نام سے مشہور ہے۔ پورے سال ربیع جیسا موسم رہتا ہے، آب و ہوا معتدل اور وہاں کے باشندے خوشحالی، آرام اور چین کی زندگی بسر کرتے ہیں۔

اس جزیرے کے متعلق تاریخ میں عجیب و غریب قصے مشہور ہیں، مغربی ممالک نے اس کو آبادی بنالیا تھا اور مسلمان بہت دنوں پہلے ہی اسلامی تاریخ کے سنہرے عہد میں پہنچے مسلم مبلغین دور دراز جگہوں سے مسافتیں طے کر کے، سمندروں کو پار کر کے خطۂ ارضی کے چپہ چپہ میں اسلام کی تبلیغ کرنے پہنچے تھے، جنوب میں قطب جنوبی کے قریب نیوزی لینڈ تک پہونچے، شمال میں سرسبز و شاداب جزیرہ ـــ گرینلینڈ تک پہونچے اور مشرق کو آخری سرحد چین اور مغرب میں ہندوستان کے سمندری جزیرہ کاریبی میں پہونچے ـــــ جس میں ترنیداد واقع ہے۔

یورپین میں سب سے پہلے کولمبس امریکا کا کھوجنا لگانے والا۔ اپنے تیسرے سفر ۱۴۹۸ء میں پہونچا اس وقت یہ تمام حکومتیں اسپین کے ماتحت تھیں لیکن اسپین کا قبضہ زیادہ دن تک نہ رہ سکا اور ہالینڈیوں نے حملہ کر کے قبضہ کر لیا اور اسپینیوں کو نکال باہر کیا، پھر فرانس نے ۱۶۹۰ء میں اچانک حملہ کر کے قبضہ کر لیا، اور ۱۷۹۷ء میں برطانیہ نے قبضہ کر لیا اور برطانوی نوآبادی بھی شامل کر لیا۔

مورخین بتاتے ہیں کہ مسلمان اس جزیرے میں پانچویں صدی ہجری میں پہنچے لیکن درحقیقت وہ اس سے پہلے پہونچ چکے تھے کیونکہ کولمبس کے اس کھوج اور ایجادی سفر میں ۱۴۹۸ء میں عرب بادبان بھی ہمراہ تھے ان لوگوں نے دین اسلام کو رائج اور بہت سے باشندوں کو مشرف باسلام پایا، اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام اس جزیرہ میں کولمبس کے پہونچنے کا کافی عرصہ پہلے پہونچ چکا تھا۔

مسلمان عرب تاجروں نے تجارت کی غرض سے اس جزیرہ پر یلغار کی اور اسلام کی دعوت دی اور بعض قیام پذیر ہو گئے۔ اور مقامی باشندوں سے گھل مل کر انہیں کے ایک فرد ہو گئے اور بعض کچھ دوسرے جزیرے چلے گئے۔ اور اپنا وطن اسکو بنالیا، بعد میں ان کے تعلقات وطن حقیقی سے بالکل منقطع ہو گئے کیونکہ اسلامی حکومت کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ کوئی منظم نظام نہ تھا اور راستے پر خطر تھے۔ ان کی اولادیں عربی زبان تک کو بھول گئی تھیں۔ مہاجرین کی آمیزش کھیپ نے اپنی زبان، ثقافت اور کردار کی حفاظت کی اور اب تک کر رہے ہیں۔ نوع انسان کی مختلف جنسوں کے لوگوں نے اس جزیرہ کی طرف ہجرت کی اس لئے ترنیداد کے باشندے مغل، عرب، ہندی، فارسی، افریقی چینی اور یوروپی قوموں کے جنسوں کے نمونہ ہیں۔ اور مختلف سامراجی قوموں کا اثر نمایاں ہے۔ مختلف ادیان مختلف خیال کے لوگ اور مختلف رسم و رواج کے پائے جاتے ہیں۔

ان خوبصورت جزیروں میں جزیرہ ترنیداد اور جزیرہ توباغو ہے اور ان جزیروں کے متعلق یہ عجیب و غریب قصے حکایتیں اور اچنبھے میں ڈال دینے والے واقعات ہیں جیسے رابنسن کروزو کے مشہور قصے۔

ترنیداد میں نول اور ارگس کے پھول کثرت سے پائے جاتے ہیں اور جزیرہ کاریبی سیاحت کے لئے بہت ہی اچھا جزیرہ ہے سیاح دور دور سے سیاحت کی غرض سے آتے ہیں۔ سیاحوں کو جزیرہ کاریبی اور ترنیداد میں آرام و سکون اور فطری حسن ملتا ہے

اس جزیرے کا دارومدار زراعتی اشیاء چاول دودھ شکر، کوکو، اور قسم قسم کے پھلوں پر ہے اور ایک معتد بہ حصہ جنوبی اور شمالی امریکہ کو برآمد کرتا ہے اور اب پٹرول بھی مل گیا ہے۔ جزیرہ کی عام معاشی متوسط درجہ کی ہے۔

دار العلوم ندوۃ العلماء کے
اردو اخبار
"تعمیر حیات"
کا
مطالعہ کیجئے اور اسکی توسیع اشاعت میں
حصہ لیجئے

یروشلم

آسماں راحق بود گر خوں ببارد برزمیں

از۔ خاور شناس

ادیب یا فنکار کے اصلاحی اور تخلیقی افکار اسکی ذات یا اس کے مربع و مثلث حدوں کے زاویے سے ہی محدود نہیں رہتے وہ آکاشی زاویوں کا جزو بنکر فکر انسانی کے محور پر گردش کرتے ہیں۔ اور انفرادی و اجتماعی زندگی کو متاثر کر کے عظیم تاریخی انقلابات کا پیش خیمہ بن جاتے ہیں درد مندیوں اور تڑپتی ہوئی روحوں سے پھوٹنے والے افکار آفتاب سے پھوٹنے والی کرنوں کی طرح تاریکی میں اجالا اور سردی میں گرمی پیدا کرتے ہیں نیند کے متوالوں (افراد و قوم کو) کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر جگاتے ہیں جو نہیں جاگتا انقلابی زبریوں کی لرزہ خیز تاراجیوں اور شکستہ روایات کے برباد شدہ ڈھیر تلے دب کر ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جاتے ہیں تخلیقی ادب کا ہمیشہ یہی رول رہا ہے۔ اٹلی میں دانتے "پٹرارچ" اور "بکے چو" نے گھنٹی بجائی۔ سارا اٹلی جاگا ساتھ ہی یورپ جاگ اٹھا۔ نشاۃ ثانیہ جنت بداماں زندگی کے سامنے آکھڑی ہوئی حیات نو کی شادابیاں اور بہار نو پھوٹ پڑی۔

جرمن ادب میں جو انقلابات لسنگ گیٹے اور شلنگ کے نوک قلم سے پیدا ہوئے صرف جرمن قوم میں نئی زندگی پیدا کی بلکہ سارے یورپ کو متاثر کیا۔ زندگی میں تبدیلی فلسفی اور مفکر کے نوک قلم سے ہی پیدا ہوتی ہے اس کی شہادت ہر قوم و ملک کی تاریخ میں موجود ہے۔

معروف جرمن ادیب شاعر اور ڈرامہ نگار لسنگ ۱۷۲۹ء تا ۱۷۸۱ء نے یورپ کی عدم رواداری کے خلاف آواز بلند کی ساتھ ہی جرمن ادب کو فرانسیسی ادب کی غلامانہ تقلید سے نجات دلایا لسنگ جرمن کے معروف ترین شاعر گیٹے (۱۷۴۹ء تا ۱۸۳۲ء) کا ہم عصر ضرور تھا لیکن سن و سال اور ادبی و فکری تجربات میں تقریباً بیس سال سے فائق ہے جرمن میں اس کی ذات سے روشنی پھیلی اسی لئے اس کو روشن خیالی دور کا امام تصور کیا جاتا ہے۔

یورپ میں صدیوں سے جو عذاب یہودیوں پر مسلط تھا وہ لسنگ کے لئے سوہان روح تھا۔ عیسائی ہونے کے باوجود اس نے رواداری کی تحریک چلائی سیاست کے میدان یا کارزار جنگ میں توپ و تفنگ کی مدد سے انقلاب برپا کرنا اس کے بس کی بات نہ تھی لہٰذا اس نے یہ جنگ قلم سے جو گورکامن الیدل تصور کیا جاتا ہے شروع کی اور اس کے نتائج سیاسی اور جنگی شکست و ریخت کے مقابلہ میں زیادہ اثر پذیر ثابت ہوئے کیونکہ لوک قلم کا نشتر فکر و احساس کی ہر رگ اور قلب کی گہرائیوں تک اتر جاتا ہے

یہودیوں کو یورپ کے عذاب سے بچانے کیلئے اس نے ایک لازوال ڈرامہ لکھا ہے ڈرامہ کے مرکزی مضمون کا انتخاب انتہائی اہم بلکہ تخلیقی قوت کی روح تھی وہ ایک ایسے کردار کی تلاش میں سرگرداں رہا جو رواداری کی محبت کا پیکر اور مجسمہ ہو نیز جسکی نظر میں ہر مذہب و ملت کے لوگ ہم عقیدہ و خیال کی حیثیت سے قابل احترام و لائق تحفظ ہوں اور جو ہر قسم کی تنگ نظری سے پاک ہو اس غرض سے لسنگ نے عہد وسطیٰ کی تاریخ اور دور صلیب کی اسلامی تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا مطالعہ کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہونچا کہ اسلامی کردار ہی میں یہ وسعت و ہمہ گیری ہے جو تمام دیگر مذاہب کے ساتھ رواداری کا اظہار کر سکتا ہے اور جہاں دیگر مذاہب کو بھی زندہ رہنے کا حق ہے جو یورپ یا مسیحی دنیا میں مفقود ہے اس کی نظر انتخاب سلطان صلاح الدین ایوبی پر پڑی جس نے یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ جو رواداری برتی ہے اس کی ایک مثال عیسائی دنیا پیش کرنے سے قاصر ہے عین دوران جنگ میں سلطان کا کردار غیر مذاہب کے ساتھ رواداری قیدیوں کے ساتھ مراعات اور با خصوص یہودیوں کے ساتھ حسن سلوک میں عیسائیوں کے مقابلہ میں نہ صرف ممتاز نظر آیا بلکہ بے نظیر بھی۔

عہد وسطیٰ کا پورا اسلامی دور اسے اخوت پروری اور رواداری میں ممتاز نظر آیا۔ حالانکہ یہ دور عیسائی بربریت اور تاریکی اور تعصب کے نشہ میں یہودی اور مسلم خون کی بھڑکتی ہوئی تشنگی کا دور تھا۔

فرانسیسی زبان میں بھی بہت سی داستانیں لکھی گئیں جیکے انگریزی ترجمے ہو چکے ہیں ان میں سے ایک کتاب (Tales of the Crusaders or The Talisman) فرانسیسی اور برطانوی مصنفات کی رنگا رنگ تحریروں پر روشنی ڈالتی ہے فرانسیسی اپنی شجاعت کے ترانے گاتے ہیں اور برطانوی فوج دم دبا کر بھاگنے والے بزدلوں میں شمار کی جاتی ہے، اس میں سلطان کے بارے میں اچھا بے شمار خرافات ہیں جنکا سر سے کوئی ثبوت نہیں یہاں ان کا ذکر تضیع اوقات کے سوا کچھ بھی نہیں

انگریزی زبان میں سر والٹر کا معروف ناول "ساحر" فتاح تعارف نہیں ہر خاص و عام اس سے واقف ہے اس ناول کی کوئی تاریخی اہمیت نہیں بعض بے بنیاد اور غیر تاریخی واقعات داستانوں کی صورت میں پیش کئے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک سلطان کا حکیم کے بھیس میں رچرڈ کے کیمپ میں جانا اور ملاقات کرنا ہے تاریخی صلیبی کا ہر مؤرخ شاگرد ملزم الدین پول دونوں کبھی سنہ در سنہ نہیں ملے (ص ۳۹۵)

حکیم کا بھیس بدل کر جانے کا واقعہ بھی محض داستان گوئی ہے (ایضاً ص ۳۹۵) رچرڈ نے کئی بار سلطان سے ملنے کی خواہش درخواست کی لیکن سلطان نے جائز وجہ کی بنا پر انکار کر دیا (ایضاً ص ۳۷۸)

اس کا ناول اگرچہ الف لیلہ کی حیثیت رکھتا ہے لیکن اس کا ایک اہم پہلو ضرور ہے اس کے ذریعہ یورپ کے عام و خاص میں سلطان کا تعارف ہوا، اس کی عظیم شخصیت، فیاضی، جودو سخا، انصاف، صداقت کا چرچا گھر گھر ہوا

فرانسیسی زبان میں مارن نے ۱۷۸۵ء میں ایک تاریخ (Histoire de Saladin) لکھی جس میں غیر تاریخی واقعات کے باوجود سلطان کی فیاضی و اعلیٰ ظرفی کا اعتراف کیا گیا ہے۔

اطلاع عام

حسب ذیل معاونین کے مفصل پتے درکار ہیں۔ جنھوں نے ذریعہ منی آرڈر رقوم بھیجی ہیں۔ لیکن پتہ کوئی نہیں لکھا ہے (ایضاً ص ۳۹۵) اسحاق نبی خانصاحب، محمد یٰسین خاں صاحب گجرات، اکبر خاں، حمید اسحاق صاحب، مجیب الرحمٰن صاحب محلکہ، محمد عبد المجید صاحب کیری، محمد علی صاحب،

امید ہے کہ جلد توجہ فرمائیں گے۔
معاون ناظر شعبہ تحریر و ترقی

ماتمی تیوہار؟

(ابوالاسرار رمزی اٹاوی (ایم اے) جودھپور)

عقیل: — ادھر نماز عید الاضحےٰ کا سلام پھرا اور ادھر ڈھول بجنا شروع ہوا عجیب سی بات ہے!

خلیل: — اس لئے کہ امام حسینؓ کی شہادت کو ماہ محرم سے تعلق ہے جو اگلے ہی مہینہ میں آرہا ہے۔

عقیل: — شہادت تو ۶۱ھ میں ہوئی تھی محرم کی عظمت کچھ حادثۂ کربلا کی بنا پر نہیں ہے۔ محرم اور عاشورہ کی اہمیت بعثت نبویؐ سے بھی پہلے کی چیز ہے۔ محرم کے معنی ہیں حرام ٹھہرایا گیا۔

خلیل: — تو اسے محرم الحرام کیوں کہتے ہیں؟

عقیل: — اس لئے کہ اس میں قتال حرام تھا۔ قریشیوں سے پہلے اسے "موجب" اور دوسرے ناموں سے بھی پکارتے تھے۔ اس میں خانۂ کعبہ پر نیا غلاف بھی چڑھاتے تھے۔

خلیل: — کیا غلاف کعبہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی چڑھایا جاتا تھا؟

عقیل: — غلاف ہی کیا! حج بھی ہوتا تھا۔ اس سلسلہ میں ایک دلچسپ بات یہ بھی ہے کہ عرب کے قبیلے دولت حاصل کرنے یا انتقام کے لیے جنگ کرنا چاہتے تو اعلان کر کے مہینہ بدل دیتے مثلاً اس سال محرم کو صفر مان لیا جاتا یعنی لڑائی ہو اور آئندہ صفر میں محرم منالیا جائے یہی "نسی" ہے جسے اسلام نے حکم دے کر قطعاً بند کر دیا، تاکہ زمانہ حج وغیرہ میں کوئی اختلاف نہ ہو اور دین کی آفاقیت قائم رہے۔

خلیل: — رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یہ مہینہ کیسا تھا؟

عقیل: — رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہؓ اس کا احترام کرتے تھے یوم عاشورہ کو روزہ رکھتے تھے۔ یہی نہیں اسلام کے انتظامی امور سے اس مہینہ کا تعین ہے — بعض تاریخی اہم واقعات اس ماہ سے وابستہ ہیں

خلیل: — وہ کیا؟

عقیل: — جس طرح شمسی سال کا پہلا مہینہ جنوری ہے ٹھیک اسی طرح قمری سال کا پہلا مہینہ محرم ہے صدر اول میں زکوٰۃ کے قوانین اسی مہینہ میں مرتب ہوئے تھے اور بیت المال اسی مہینہ میں قائم کیا گیا تھا۔ محصلین زکوٰۃ کا اولین تقرر ۹ھ میں عمل میں آیا — اسے اسلام کا FINANCIAL YEAR تصور کیجئے — حضورؐ کی خاندان ہاشمی سمیت نظر بندی اور مقاطعہ شعب ابی طالب کے واقعات یکم محرم الحرام ۷ھ میں رونما ہوئے۔ میلادی بین الاقوامی دعوت کا آغاز ہوا اور سلاطین کے نام خطوط محرم ۷ھ میں بھیجے گئے — حضورؐ کا نکاح حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے اور غزوۂ خیبر محرم ۷ھ میں واقع ہوا۔ وفد بنی سلیم محرم ۹ھ میں آیا یہ آخری وفد تھا جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آیا — پہلے سال ہجری میں یہی مہینہ فتح و ظفر کا اشاریہ تھا ۶۱ھ کا محرم مسلمانوں کے نفاق و انتشار کی علامت بن کر رہ گیا — یہ بات بھی نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ یہی مہینہ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا بھی ہے عبد اللہ بن زبیرؓ نے بھی اسی ماہ میں زمام خلافت سنبھالی۔

خلیل: — حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اسی مہینہ میں شہید ہوئے تھے۔ یہ بات مجھے نہیں معلوم تھی آہ! — لوگوں نے پھر بھی اس ماہ کے دنوں کو بالکل تیوہار (FESTIVAL) کا روپ دے دیا۔

عقیل: — جہاں یہ کربلا کا واقعہ اور سانحۂ فاجعہ ہوا وہاں کے لوگ اس تیوہار کا نام بھی نہیں جانتے — یہ سب ایجاد بندہ ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جن باتوں سے روکا تھا ان میں یہی آج مسلمان مبتلا پائے جاتے ہیں۔ عوام کے شوق نے اپنے ارمانوں کی ضیافت کا سامان مراسم

کرنے کی راہ نکالی ہے۔ ہندوستان میں تعزیہ داری پر ہر سال بے شمار دولت صرف ہوتی ہے جو کسی طرح مناسب نہیں ہے

کہیں ہے مرثیہ خوانی کہیں رنگیں تماشے ہیں
مسلمانوں نے لہو دیکر کیا گل زار تیار ہے

بقیہ: "اشتراکیت کی فکری بنیادیں"

قائل تھا اور انہیں کسی فرد کی روحانی اور اخلاقی ترقی کے لئے ناگزیر سمجھتا تھا بلکہ وہ ان اداروں کی اصلیت پر صرف اس لئے زور دیتا تھا کہ ان کے مقدس نام سے بڑی آسانی کے ساتھ لوگوں کو دھوکہ دیا جاسکتا تھا اس ظالم گروہ نے عملاً جو طرز عمل اختیار کیا اس کے نتیجے میں یہ عجیب و غریب شکل سامنے آئی کہ معاشرے کا یہ نہایت عیار اور چالاک طبقہ خود تو حسی خواہشات کا غلام تھا اور ان کی تکمیل کے علاوہ اسے کسی چیز سے دلچسپی نہ تھی۔ اور اس راہ میں وہ کسی اخلاقی اصول اور ضابطے کی پابندی کرنے پر تیار نہ تھا اس کی زندگی کا واحد مقصد بار بر یہ عیش کوشش کہ عالم دوبارہ نیست تھا لیکن اسے یہ خطرہ لاحق تھا کہ اگر سب لوگوں نے اسی مسلک کو اپنا لیا تو انہیں دنیوی فوائد و لذات میں دوسرے انسانوں کو شریک کرنا پڑے گا اور اس طرح ان کی عیش پرستیوں میں کسی حد تک کامیابی آجائے گی چنانچہ عوام کو دنیوی لذائذ سے محروم رکھکر خود اپنے لئے زیادہ سے زیادہ منافع سمیٹنے کی غرض سے اس نے ترہبتی اداروں کی محبت کا دم بھرنا بھی ضروری سمجھا کیونکہ اس کے نزدیک یہ ادارے دھوکہ کا سب سے موثر ذریعہ تھا، وہ عوام کو ہمیشہ دنیوی مفادات کا بندہ بننے کی بجائے اخلاقی اقدار کو اپنانے کی تلقین کرتا اگر خود اس کی زندگی میں دنیاوی مفادات کی محبت کے علاوہ اور کوئی چیز نظر نہیں آتی وہ تعلیمی و تربیتی اداروں کی بھی تعریف کرتا اور عوام کو ان سے فائدہ اٹھانے کی ترغیب دیتا مگر خود ان کے کسی طرح بھی فائدہ اٹھانے کے لئے تیار نہ رہتا۔ عوام کو دوسرے اشتغال میں مصروف رکھکر خود مادی وسائل جمع کرتا رہتا اور اس طرح معاشرے میں قوت و طاقت کے سارے خزانوں پر قبضہ کر لیتا۔ پھر لوگوں کے ذہنوں میں مملکت اور حکومت کی عظمت کا نقش بٹھانا اور انہیں اس بات کا قائل کرتا کہ ان عظیم اداروں کی طرف سے انہیں جو احکام صادر ہوں ان کو خوشدلی سے پابندی ہی میں ان کی فلاح و کامرانی کا راز مضمر ہے وہ انہیں یہ باور کراتا کہ یہ ادارے تمہاری فلاح و بہبود کے لئے ہی معرض وجود میں آئے ہیں مگر چونکہ ان اداروں کا انتظام و انصرام عملاً نہایت گھٹیا قسم کے دنیا پرست اور عیار لوگوں کے ہاتھ میں آچکا تھا اس لئے انہوں نے ان بے لاگ انسانی فلاح کا کام لینے کی بجائے انہیں عوام پر اپنی خدائی مسلط کرنے کے لئے بطور آلۂ کار استعمال کیا۔

(باقی صفحہ پر)

جشن مناؤں کیسے؟

خیال الانصاری بلیگاؤں

مجھ سے کہتے ہو کہ تم آج چراغاں کر لو
جشنِ آزادی کے دن جشنِ بہاراں کر لو
اے مرے دوست میں یہ جشن مناؤں کیسے؟
دیپ خوشیوں کے اندھیروں میں جلاؤں کیسے؟
کیونکہ سہمے ہوئے چہروں پہ اداسی ہے ابھی
کیونکہ نفرت کی وہی گرد جمی ہے ابھی
کیونکہ نفرت کی ابھی تک ہیں دماغوں پہ کہر
کیونکہ چھائی ہے دلوں پر وہی اک خوف لہر
کہ کہیں پھر سے نئی ظلم کی افتاد نہ ہو
کہ کہیں کوئی ستم نت نئی ایجاد نہ ہو
کہ کہیں پھر سے نہ کوئی عصمتِ حوّا لوٹے
کہ نہ پھر آئینۂ عظمتِ آدم ٹوٹے
تو کہو ایسے میں پھر جشن مناؤں کیسے؟
دیپ خوشیوں کے اندھیروں میں جلاؤں کیسے؟

سفیدی پھری قبریں

دوش توحید پہ اور شرک کا یہ بار گراں
سرفروشی کے مہینہ میں ضلالت کا سماں
کوئی کرتا ہے طواف اور کوئی جھک کے سلام
یہ سمجھتے ہیں کہ اس پنجرے میں ہے روحِ امام
اللہ اللہ! یہ توہم یہ عقیدوں کا سراب!
مردِ مومن کا ہوا جاتا ہے ایمان خراب!
کیوں نہ ماتم کریں ان جہل کے سرداروں کا
تعزیہ داری کا اور تعزیہ برداروں کا
اپنے اسلاف کے اطوار بدل ڈالے ہیں
کپڑے اجلے ہیں مگر قلب و عمل کالے ہیں

یہ یقینی پھری قبریں ہیں مسلمان نہیں
دھوکا ہوتا ہے کہ تابوت میں انسان نہیں

ابوالاسرار (رمزی اٹاوی ایم اے)
(جودھپور)

حسنِ تصوّر

رئیس انصاری ندوی

بے ارادہ آج کوئی یاد آیا ہے بہت
سوزشِ غم سے کبھی درد فراواں سے کبھی
مسکرائے ہیں کبھی آنسو بہائے ہیں کبھی
مسکرا اے ستارو آج تم بھی کیا ہوا؟
راز اس میں کیا ہے؟ یہ اہلِ نظر پر چھوڑیئے
زندگی کے روپ میں سوغات لایا ہے بہت
خانۂ دل کو محبت میں سجایا ہے بہت
آرزوؤں نے ازل سے ہی ستایا ہے بہت
میری قسمت پر زمانہ مسکرایا ہے بہت
داستانِ شوق میں اک نام آیا ہے بہت

دیکھ کر کالی گھٹائیں آج تک مانا نہیں
اے رئیسؔ اس دل کو ہم نے آزمایا ہے بہت

ممالکِ اسلامیہ کا مختصر جائزہ

از:- سید محمد عبدالرشید

سعودی عرب یہ سب مسلمانوں کو اب سے زیادہ محترم و مقدس ملک ہے یہی وہ ملک ہے جس کا ذکر خدائے تعالیٰ نے قرآن شریف میں "بلدامین" کے نام سے کیا ہے۔ یہی وہ ملک ہے جہاں دنیا کے ہر گوشہ سے مسلمان کھنچ کھنچ کر آتے ہیں اور فریضۂ حج ادا کرتے ہیں۔ مسجد نبوی اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے مقبرہ کے علاوہ دوسرے مختلف مقدس و متبرک مقامات یہیں واقع ہیں یہی ملک حضور صلعم کا مولد مسکن اور جائے وفات ہے۔ یہاں کے باشندوں کی تعداد تقریباً ۷ ملین ہے اور یہ آبادی تقریباً ۸۰ ہزار مربع میل ہے جس میں سے کچھ حصہ صحرائی ہے یہاں کے اکثر باشندوں کی غذا کا مسئلہ پٹرول کی بدولت حل ہوتا ہے ایک قلیل تعداد ایسی ہے جس کا انحصار تجارت و زراعت پر ہے۔ یہاں سب سے زیادہ پیدا ہونے والی چیز کھجور ہے جس کی سالانہ آمدنی ۷۹۲۶ ملین ریال ہے۔

مصر :- مصر وہی ملک ہے جہاں کے فراعنہ کے اہرام اپنی پائیداری و مضبوطی میں ساری دنیا میں مشہور ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی کشمکش اسی ملک کے زمین و آسمان نے دیکھی یہ ملک طول و عرض میں دو ملین مربع میل ہے یہاں کے باشندوں کی تعداد ۳۲ ملین ہے۔ یہاں کے لوگوں کی غذا کا دارومدار صنعت و زراعت پر ہے جس کی سالانہ آمدنی ۱۳۰ ملین پونڈ ہے یہاں پٹرول کے نکلنے کے احتمالات قوت پکڑتے جا رہے ہیں۔ یہاں کی قابل کاشت زمین سرحدی علاقہ کے علاوہ ۸ ملین فدان ہے۔

ملیشیا :- یہ ملک طول و عرض میں ۱۲۸۳ ہزار میل ہے اور یہ ملک ۹۳۴ ملین نفوس پر مشتمل ہے ملیشیا کے باشندوں کا اقتصادی مسئلہ معدنیات اور نباتات سے حل ہوتا ہے خاص کر ربر، ناریل اور سیاہ مرچ قابل ذکر ہیں، ملیشیا سے دنیا کی ۳۱ فیصدی معدنیات سپلائی ہوتی ہے۔

پاکستان :- پاکستان دو حصوں میں بٹا ہوا ہے ان دونوں حصوں کے درمیان ہندوستان حد فاصل ہے جس کی پیمائش ایک ہزار مربع میل ہے یہاں کے باشندوں کی کل تعداد تقریباً ایک سو ملین ہے یہاں کے لوگوں کی غذا کا انحصار زراعت اور زراعتی صنعت پر ہے جس میں تقریباً ۸۰ فیصدی لوگ مشغول ہیں۔ پاکستان کی بری فوج تین لاکھ اور بحری فوج ۹ ہزار اور ہوائی فوج ۱۴ ہزار نفوس پر مشتمل ہے اس کے علاوہ ٹریننگ یافتہ لوگوں کی تعداد ۸۰ ہزار ہے۔

کویت :- کویت ۲۴۰۳ مربع کلومیٹر ہے جس پر خشک کا راج ہے یہاں کے باشندوں کی تعداد ایک ملین سے بھی کم ہے جن کی ضروریات کنوؤں سے پوری ہوتی ہیں ان کا اقتصادی مسئلہ پٹرول سے حل ہوتا ہے۔ پٹرول برآمد کرنے والے ملکوں میں کویت کا شمار دوسرے درجہ میں ہوتا ہے کویت کا شمالی مغربی حصہ خلیج عربی میں واقع ہے جس کا ساحل دو سو میل تک پھیلا ہوا ہے۔

یمن :- یمن ۱۹۵ ہزار کلومیٹر ہے یہاں کی آبادی تقریباً ۵ ملین نفوس پر مشتمل ہے یہاں کے باشندوں کی غذا کا انحصار زراعت ساحلی تجارت نیز مویشی پالنے پر ہے یہاں سے برآمد ہونے والے دودھ کی تعداد ۴ سے ۵ کروڑ ٹن سالانہ ہے یہاں کی قابل کاشت زمین میں سے صرف ۲۰ فیصد حصہ میں زراعت ہوتی ہے۔ یمن میں لوہا، کوئلہ سنگ مرمر، چونا، پارہ، اور اس کے علاوہ دوسری معدنیات کے ملنے کے امکانات ہیں۔

مغرب :- یہاں کی آبادی ۱۳۳ ملین نفوس پر مشتمل ہے جس میں سے ۷۰ فیصدی لوگ دیہاتوں میں آباد ہیں یہاں کی غذا کا مسئلہ زراعت سے حل ہوتا ہے یہاں کی تقریباً ۲۲ ملین ہکڑ زمین قابل کاشت ہے جس کا ۵/۶ حصہ غیروں کے ہاتھ میں ہے یہاں کی اہم معدنیات میں سے فاسفیٹ ہے۔ فاسفیٹ کی برآمد میں امریکہ کے بعد اس ملک کا دوسرا نمبر ہے یہاں چند سالوں سے پیکنگ کی صنعت وسعت اختیار کرتی جا رہی ہے جس میں مچھلیوں کی پیکنگ قابل ذکر ہے۔

موریٹانیا :- موریٹانیا ۱۰۱۷۰۰۰ سترہ ہزار مربع کیلو میٹر پر مشتمل ہے اور یہاں کی آبادی تقریباً دس لاکھ ہے یہاں کے افراد کا اقتصادی مسئلہ جو انوں کے پالنے، مچھلی کی حنوط و فروخت اور اور کان کنی سے حل ہوتا ہے لیکن اصل ذریعہ کان کنی ہے موریٹانیا کا اکثر حصہ صحرائی اور بنجر ہے۔ جہیں کاشت ناممکن ہے۔

افغانستان :- افغانستان کی پیمائش ۶ لاکھ ہزار مربع میل ہے جس میں سے قابل کاشت زمین ۱۴ ملین ہکڑ ہے لیکن زراعت تقریباً ۸ ملین ہکڑ میں کی جاتی ہے۔ چھوٹے جانوروں کے اون کے علاوہ ان کے یہاں سے تقریباً دس ہزار ٹن اون سالانہ برآمد ہوتا ہے افغانستان کے پہاڑوں میں معدنیات کی کانوں کے پائے جانے کے امکانات ہیں ۱۹۶۶ء کی مردم شماری کے مطابق یہاں کی آبادی ۱۱۵۲۲۷۸۰۰ افراد پر مشتمل ہے۔

ایران :- ایران کا قومی نام شہنشاہیت ایران ہے یہ وہی ملک ہے جس کی قوت کا شمار قبل از اسلام دوسرے نمبر پر تھا یہ ملک طول و عرض میں ۶۲۸ ہزار میل ہے اور آبادی تقریباً ۲۶ ملین ہے

یہاں پیدا ہونے والی چیزوں میں گیہوں جو، چاول روئی اور تمباکو قابل ذکر ہیں۔ یہاں تقریباً ۳۰ ملین بھیڑ، بکریاں وغیرہ ہیں جن سے کچھ لوگوں کا غذائی مسئلہ بھی حل ہوتا ہے اس کے علاوہ پٹرول یہاں کا قومی سرمایہ ہے۔ بری فوج ۱۶۴ ہزار، بحری ۶ ہزار، ہوائی دس ہزار افراد پر مشتمل ہے اس کے علاوہ پی۔ اے۔ سی کی تعداد ۲۵ ہزار ہے۔

ترکی :- ترکی ۳۰۱۴۰۰ مربع میل ہے جس میں سے ۹۰ فیصد ایشیا میں واقع ہے یہاں کے باشندوں کی تعداد ۳۵ ملین سے بھی زیادہ ہے جس میں سے ۹۴ فیصد ترک ہیں۔ جس میں کردی شرکسی، عربی، یونانی، بلغاری اور ارمنی ہیں۔ ۷۰ فیصدی سے زیادہ لوگ زراعت میں مشغول رہتے ہیں۔ بری فوج، ۳۹۰ ہزار نفوس پر اور بحری فوج ۳۷ ہزار افراد پر اور فضائی فوج ۵۳ ہزار لوگوں پر مشتمل ہے اس کے علاوہ پانچسو لوگ ایسے ہیں جو جنگی ٹریننگ حاصل کر چکے ہیں اور پی۔ اے۔ سی کی تعداد ۸۳ ہزار ہے۔

یمن جنوبی :- جنوبی یمن کا اطلاق منطقۂ عدن و حضرت موت پر ہوتا ہے جس کی پیمائش ۳۵۵ ہزار مربع کیلو میٹر ہے یہاں کے باشندوں کی تعداد ۱۵ لاکھ ہے یہاں کے باشندوں کا سب سے بڑا پیشہ زراعت ہے اس کے بعد جانور وغیرہ پالنے کا نمبر آتا ہے یہاں ۱۴۹ ہزار میل سے زیادہ زمین پر کاشت ہوتی ہے۔ بھیڑ بکریوں اور دوسرے چوپایوں کی تعداد ۲ ملین ۲۷۰ ہزار ہے۔

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

خطاب
بہ جوانانِ اسلام

علامہ اقبال

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سرِ دارا

تمدن آفریں، خلاقِ آئینِ جہاں داری
وہ صحرائے عرب یعنی شتربانوں کا گہوارا

سماں الفقر و فخری کا رہا شانِ امارت میں
بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را

گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے
کہ منعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا

غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرا نشیں کیا تھے
جہانگیر و جہاں دار و جہانبان و جہاں آرا

اگر چاہوں تو نقشہ کھینچ کر الفاظ میں رکھ دوں
مگر میرے تخیل سے فزوں تر ہے وہ نظارا

تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار، وہ کردار، تو ثابت، وہ سیارا

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھی
نہیں دنیا کے آئینِ مسلّم سے کوئی چارا

مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا

غنی روزِ سیاہ پیرِ کنعاں را تماشا کن
کہ نورِ دیدہ اش روشن کند چشمِ زلیخا را

مرا آئینۂ افکار صیقل ہے وفاؤں سے

از:- سید شرافت علی خلاوی

چمک اٹھا ستارہ پھر افق پر عشق و الفت کا
وگرنہ سہہ نہیں سکتا تھا یہ دل درد فرقت کا

بڑا مشکل تھا وہ تو آبرو رکھ لی وفاؤں نے
مرا دل امتحاں بنتا رہا تھا یہ محبت کا

مرا آئینۂ افکار صیقل ہے وفاؤں سے
جھلکتا ہے مرے اشعار میں اب رنگ الفت کا

کلی اب کھل رہی ہے دور طفلی الوداع کہہ کر
وہ معصومی ہی کیا کم تھی، شباب آیا قیامت کا

میں ان کی جلوہ سامانی سے کب انکار کرتا ہوں
تصور کیجئے کچھ تو مری چشمِ بصیرت کا

بہل جاتا ہے میرا دل طوافِ کوئے جاناں سے
وگرنہ حشر کیا ہوتا مری بیتاب حسرت کا

سنا ہے ذکر کرتے ہیں مرا اکثر وہ محفل میں
پتہ بتلا دیا شاید کسی نے میری رفعت کا

مرا دل جھوم جھوم اٹھا کسی کے تحفۂ گل سے
سمجھتا ہوں تقاضہ تھا یہی ان کی طبیعت کا

بڑھا دے بجئے قدم خود آپ رکھدے گا یہ سر اپنا
سلام آخری لے لیجئے مجروحِ الفت کا

وہ دیکھو کون روتا ہے کسی کا نام لے لیکر
وہ دیکھو کون شکوہ کر رہا ہے پھر محبت کا

نہ سمجھیں آپ اسکو شعر کوئی، قافیہ بندی
مرے اشعار جامہ تن کئے ہیں سب حقیقت کا

بہا لیتے دو آنسو کے اگر قطرے تو اچھا تھا
جنازہ آپ ہی کے در سے نکلیگا شرافت کا

بقیہ :- طبہ کا صفحہ

صومالیہ

صومالی ۳ ملین نفوس پر مشتمل ہے جس کی پیمائش طول و عرض میں ۶۴۴ ہزار میل ہے۔ یہاں کے باشندوں کی غذا کا انحصار بھیڑ بکریوں نیز چوپایوں کے پالنے پر ہے جس میں تقریباً ۸۰ فیصد لوگ مشغول رہتے ہیں۔ جانوروں اور ان کی کھالوں کی سپلائی بھی یہاں سے ہوتی ہے۔ یہاں پیدا ہونے والی چیزوں میں گنا، مکئی اور کیلا ہے

سوڈان

سوڈان ۹۶۷ مربع میل ہے جو ۱۰۰ ملین نفوس پر مشتمل ہے یہاں سب سے زیادہ پیدا ہونے والی چیزوں میں روئی ہے جس کے جنگلات سوڈان کی ۲۷ فیصد زمین پھیلے ہوئے ہیں جس کی سالانہ کاٹی جانے والی لکڑیوں کی مقدار ایک ملین ہو۔ سوڈان کا حیوانی سرمایہ ۶۹ ملین چوپایوں پر مشتمل ہے اور بھیڑ بکریوں کی تعداد بھی تقریباً اتنی ہی ہے سوڈان میں سونا، لوہا، گندھک اور اس کے علاوہ دوسری دھاتوں کے پائے جانے کے امکانات ہیں۔ (باقی آئندہ)

بقیہ صـ۱۴ کا

یہ ادارے انسانوں کی اخلاقی درد حالانی تربیت کا تو کوئی انتظام نہ کرسکے البتہ کمزوں اور غریبوں کو لوٹنے والے طبقوں کے ہاتھ میں جبر و استبداد کا ایک ہتھیار بن کر رہ گئے۔ ان اداروں نے جو قوانین وضع کئے وہ معاشرے میں عدل و انصاف قائم کرنے کیلئے نہ تھے بلکہ طاقتور طبقوں کے ناجائز حقوق کی پشت پناہی اور حفاظت اور کمزور طبقوں کو ان کے جائز حقوق سے محروم کرنے کے لئے تھے ان قوانین میں طاقت اور جبر طرح طرح کا ہتھکنڈے کارروائیاں کرتا اور مملکت اور حکومت ان کی محافظت کرتی اس کے مقابلے میں کمزوروں اور ناتوانوں کو ہر ستم کے ناجائز استحصال کا ذریعہ بنایا جاتا اور اگر وہ نالہ و فریاد کرتے تو فوج پولیس اور انتظامیہ انہیں بڑی سختی کے ساتھ دبا دیتی۔

یہ حکومتیں اگرچہ اس بات کی دعوے دار تو تھیں کہ ان کا مقصد اجتماعی عدل کا قیام ہے لیکن اجتماعی عدل سے ان کی مراد طبقہ امراء کے لئے زیادہ سے زیادہ مراعات کا حصول اور غریبوں اور ناداروں کے لئے زبردست آزادی اور محرومی تھا۔

انسانی اداروں کی یہ تیسری صورت جو اوپر پیش کی گئی ہے کسی الگ طرز فکر کی ترجمان نہیں حقیقت میں یہ پہلے نقطۂ نظر ہی مظہر ہے لیکن اس میں بڑی چالاکی کے ساتھ دوسرے نقطۂ نظر کی آمیزش کر دی گئی ہے تاکہ عوام کو دھوکا دیا جاسکے۔

تعمیر حیات

ملکیت کے بارے میں بیان

اخبار کے رجسٹریشن (مرکزی) قواعد ۱۹۵۶ء کے قاعدہ نمبر ۸ کے تحت حکومت ہند کی وزارت اطلاعات و نشریات کا مطلوبہ بیان متعلق ملکیت و دیگر تفصیلات۔

۱- مقام اشاعت — لکھنؤ
۲- وقفہ اشاعت — پندرہ روزہ
۳- پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر کا نام — محمد الحسنی
۴- قومیت — ہندوستانی
۵- پتہ — ۳۷ گوئن روڈ لکھنؤ
۶- مالک شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ — میں (محمد الحسنی) اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات یہاں تک میری اطلاعات کا تعلق ہے صحیح ہیں۔

محمد الحسنی
۷ مارچ ۱۹۷۰ء

سول ایجنسیاں :- (۱) ایم، ایس، ظہیر اینڈ سنس چن گنج کان پور (۲) اودھ جنرل اسٹورس امین آباد لکھنؤ۔

بچوں کو قرآن پڑھانے کیلئے

"نورانی قاعدہ"

اچھی طرح پڑھا دیتا ہے

۲۰×۳۰/۱۶ کتابت عمدہ طباعت فوٹو آفسٹ دس روپیہ سیکڑہ

ہندی زبان میں نماز اور ترکیب نماز

کتاب الصلوٰۃ

آخر میں گیارہ چھوٹی سورتیں مع ہندی ترجمہ و متن نیز عربی متن اور اردو ترجمہ کیساتھ

۱۸×۲۲ قیمت صرف ایک روپیہ

مکتبہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ہندوستان کے مسلمانوں کی آواز

ہفت روزہ "نشیمن" بنگلور

جسکی سیاسی خبریں آپ کو کسی اخبار میں نہیں ملتی جسکے مضامین اور فیچر کا کوئی جواب نہیں۔ ایسا اخبار جسکو ایک بار پڑھکر آپ بار بار پڑھیں گے۔

قیمت ۲۰ پیسے۔ پتہ: "نشیمن" ویکلی بنگلور ۱

زائرانِ حرم کی آمد

خاکِ در رسول کی دولت لئے ہوئے — آئے ہیں سب خزینۂ رحمت لئے ہوئے
گھر سے گئے تھے دیدۂ حسرت لئے ہوئے — آئے ہیں نورِ چشم بصیرت لئے ہوئے
کعبے سے آرہی ہے گھٹا جھومتی ہوئی — دامن میں اپنے بارشِ رحمت لئے ہوئے
آئی نسیم صبح عجب لطف و ناز سے — گاہے بہ باغِ طیبہ کی نکہت لئے ہوئے
آئے ہیں زائرانِ حرم آج اے حمید — دل میں سرور و کیفِ زیارت لئے ہوئے
دیکھے تو چشمِ خاص سے ان کی طرف کوئی — کیا چیز ہے نگاہِ محبت لئے ہوئے
ہر اک نگاہِ شوق قدم چومنے لگی — آنکھیں جو ہیں جمالِ زیارت لئے ہوئے
کیوں اہلِ دل نہ فرطِ محبت سے جھوم لیں — یہ دستِ شوق کسکی ہیں نسبت لئے ہوئے
شاید غلافِ کعبہ سے اکثر ہوئی ہیں مس — آنکھیں ہیں ایک خاص لطافت لئے ہوئے
خاکِ درِ حبیبؐ کا دیکھے کوئی اثر — رخ ہی سرور و نورِ عبادت لئے ہوئے
محسوس ہو رہا ہے یہ لطفِ کلام سے — ہر سانس ہی پیامِ مسرت لئے ہوئے
نظارۂ حریمِ رسالتؐ کے فیض سے — دل کا ہر ایک گوشہ ہی جنت لئے ہوئے
کیا جانئے کہ سجدے کئے ہیں کہاں کہاں — اک نور ہے جبینِ عقیدت لئے ہوئے
ہر گوشۂ نگاہ کے قربان جایئے — ہے منتظر حریمِ رسالت لئے ہوئے
سچ پوچھئے تو اس کی ہمیں خود خبر نہیں — دل ہے جو اک لطیف امانت لئے ہوئے
تشریف لائے مولوی اسلمؒ بفضلِ حق — طیبہ سے دو جہان کی دولت لئے ہوئے
ہم بیکسوں کے واسطے بھی کیجئے دعا — دل آپکا ہے دردِ محبت لئے ہوئے
حاضر درِ نبیؐ پہ جگرؒ بھی ہوں اے خدا — آنکھوں میں جوشِ اشک ندامت لئے ہوئے
پہونچے درِ حبیبؐ پہ اے کاش پھر حمید — دردِ غمِ فراق کی لذت لئے ہوئے

اک آہ کھینچ کر یہ کہے یا رسولِ پاکؐ
آیا ہوں در پہ دردِ محبت لئے ہوئے

زائرِ حرم
حمید صدیقی

لے مخدوم و مکرم حضرت الحاج مولانا مولوی محمد اسلم صاحب فرنگی محلی رامپوری ہے کہ اسوقت تک مولانا کی وفات کو بھی چند سال گزر گئے۔ لے محترمی استاذی حضرت جگر مراد آبادی مدظلہ العالی۔